تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

مذہبی۔ علمی اور تحقیقی رسالہ

ماہنامہ الفرقان ربوہ پاکستان

جنوری ۱۹۵۸ء

اہم رسالہ

قرآن مجید میں کوئی آیت منسوخ نہیں

ایڈیٹر،
ابو العطاء
جالندھری

سالانہ چندہ پیشگی
پاکستان :- پانچ روپے
بیرون ممالک سات روپے یا بارہ شلنگ

الفرقان کے متعلق تحریک

رسالہ الفرقان علمی اور دینی اور تحقیقی ماہنامہ ہے۔ اس کا نصب العین قرآنی حقائق و معار
کی اشاعت اور فضائلِ اسلام کا بیان کرنا ہے۔ عیسائیوں، بہائیوں اور دیگر غیر مسلموں کے اعتراض
کے جوابات کے علاوہ اس رسالہ میں مولانا مودودی اور "طلوعِ اسلام" کی تحریک پر بھی
مناسب تبصرہ ہوتا رہتا ہے۔ اور اسلام کی طرف منسوب ہونے والے غلط عقائد کی تردید کرنا
بھی اس رسالہ کے دائرہ عمل میں داخل ہے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ اس رسالہ کے متعلق فرما چکے ہیں:-

"میرے نزدیک الفرقان جیسا علمی رسالہ تیس چالیس ہزار بلکہ لاکھ تک چھپنا چاہیئے۔ اور اس کی بہت وسیع اشاعت ہونی چاہیئے۔" (الفضل ۵ جنوری ۱۹۵۶ء)

اگر آپ نے

ابھی تک ایسے علمی رسالہ کی خریداری منظور نہیں فرمائی تو فوراً اس طرف توجہ فرماویں

نوٹ:- رسالہ کا سالانہ چندہ پانچ روپے ہے۔ رسالہ ہر ماہ کی پانچ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

مینیجر الفرقان
ربوہ۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود
خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ
ھو الناصر

لا نسخ فی القرآن

قرآن مجید میں کوئی آیت منسوخ نہیں

(از جناب قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری)

چونکہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت اور جماعت احمدیہ کے قیام کی غرض و غایت یہ ہے کہ تمام اکنافِ عالم میں قرآن مجید کی تعلیم کی اشاعت کی جائے اسلئے آپ کو اور آپ کے خلفاء اور آپ کی جماعت کے علماء کو غیر مسلموں کے ان اعتراضات کو جو وہ قرآن مجید کی تعلیم پر کرتے ہیں، رد کرنے کیلئے اسکے حقائق و معارف میں تدبر کرنا پڑتا ہے۔

بدقسمتی سے اکثر علمائے اسلام اس بات کے قائل رہے ہیں کہ قرآن مجید میں کئی آیات ایسی ہیں جن کا حکم بعض دوسری آیات کے ذریعہ کلیۃً اور ہمیشہ ہمیش کے لئے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ ان کے نزدیک اب صرف ناسخ آیات واجب العمل ہیں، منسوخ آیات کا حکم ہمیشہ ہمیش کے لئے اٹھ گیا ہے۔ ان کی صرف تلاوت ہی قرآن مجید میں باقی رکھی گئی ہے۔

چونکہ یہ عقیدہ قرآن کریم کی شان اور عظمت کو سخت دھبہ لگاتا تھا، اس کی حجیت اور حقانیت کو غیر مسلموں کی نگاہ میں مشتبہ کرتا تھا اسلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق بطور "حَکَم و عَدل" مبعوث ہوئے ہیں، اس بارہ میں اپنا یہ ناطق فیصلہ دیا ہے کہ:۔

"ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کم ہو سکتا ہے۔"

(ازالہ اوہام ص۱۳۸ طبع اول)

نیز فرماتے ہیں:-

"جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے کسی حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔ سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ یا شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اس کیلئے پکڑے نہ جاؤ۔" (کشتی نوح ص۲۳)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک قرآن مجید کا ہر حکم قابل عمل ہے۔ پھر اس سے واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:-

"علماء نے مسامحت کی راہ سے بعض احادیث کو بعض آیات قرآنی کا ناسخ قرار دیا ہے ...... لیکن حق یہی ہے کہ حقیقی نسخ اور حقیقی زیادت قرآن پر جائز نہیں کیونکہ اس سے اس کی تکذیب لازم آتی ہے۔" (الحق مباحثہ لدھیانہ ص۹۱)

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

"قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا آخری ہدایت نامہ ہے۔ وہ نسخ سے محفوظ ہے اس کے اندر جو کچھ موجود ہے مسلمانوں کے لئے قابل عمل ہے۔ اس کا کوئی حصہ نہیں جو دوسرے حصہ کا مخالف ہو اور قابل نسخ سمجھا جائے۔ خدا تعالیٰ خود اس کا محافظ ہے ...... اس میں کوئی نسخ ملنا بھی غلط ہے۔ اس میں کوئی تغیر تسلیم کرنا خواہ وہ کیسا ہی ادنیٰ ہو تمام ہے وہ محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا۔"

(دعوۃ الامیر ص۱۴۱)

نسخ کے لغوی اور اصطلاحی معانی

(۱) نسخ کے لغوی معنی ایک چیز کے مقابل پر ایک چیز کا ازالہ ہیں۔ خواہ یہ ازالہ بعض صفات میں ہو۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ نسخت الشمس الظل کہ سورج نے سایہ کو منسوخ کر دیا۔ یا کہتے ہیں۔ نسخت الریح آثار الدیار ای غیرتھا کہ ہوا نے گھروں کے نشانات منسوخ کر دیئے۔ یعنی ان میں تبدیلی پیدا کر دی۔ نیز کہتے ہیں نسخ الکتاب اذ انقلہ و اتی بنسختہ و اکتتبہ حرفاً بحرفٍ۔ یعنی اس نے کتاب کی تحریر نقل کی اور لفظ بلفظ نقل کی۔ نیز کہتے ہیں تناسخوا الشیئ تداولوہ۔ کہ کسی شی کو بدل بدل کر اختیار کیا۔ یعنی ایک حالت میں ایک عمل اختیار

کیا۔ جب وہ حالت نہ رہی تو دوسرے امر کو اختیار کیا۔ پھر جب پہلی حالت آگئی تو پھر پہلے امر کے مطابق عمل شروع کر دیا۔ (الناسخ والمنسوخ للصفار نحوی ومنجد)

(۲) نسخہ: ازالہ وغیرہ وابطلہ واقام شیئاً مقامہ والشیٔ نسخہ والکتاب کتبہ۔

اس لغوی نسخ کی بعض صورتیں قرآن مجید میں پائی جا سکتی ہیں جبکہ اس سے آیت کا حکم کلیۃً اٹھانا مراد نہ ہو۔ اور نہ ہمیشہ ہمیش کے لئے اٹھانا مراد ہو۔ کیونکہ یہ نسخ اصطلاحی بھی نہیں اور معیوب بھی نہیں حقیقی نسخ ہمیشہ ہمیش کے لئے کسی حکم کے اُٹھ جانے کا نام ہے اور ایسا نسخ قرآن مجید کی شان اکملیت ومحفوظیت کے منافی ہے۔

نسخ کے اصطلاحی معنی اور اسکی مختلف صورتیں

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر "اتقان" میں نسخ کے اصطلاحی معنی لکھتے ہیں :-

"انّ النسخ الازالۃ للحکم حتیٰ لا یجوز امتثالہ۔"

(اتقان جلد ۲ صفحہ ۳۵)

کہ نسخ کسی حکم کے اس طرح اٹھا دینے کو کہتے ہیں کہ اس حکم پر عمل کرنا جائز نہ رہے۔"

"کشف الاصطلاحات" کے صفحہ ۱۳۷۳ پر نسخ اصطلاحی کی تعریف یہ لکھی گئی ہے :-

"النسخ عند اھل الشرع ان یرد دلیل شرعی متراخیاً عن دلیل شرعی مقتضیاً خلاف حکمہ فالدلیل الشرعی المتاخر یسمّی ناسخاً والمتقدم یسمّی منسوخاً۔"

کہ نسخ اہل شرع کے نزدیک یہ ہے کہ ایک دلیل شرعی دوسری ایسی دلیل شرعی کو رد کر دے جس کا حکم پہلی دلیل شرعی کے خلاف ہو تو پچھلی دلیل شرعی کا نام ناسخ ہوگا اور پہلی دلیل شرعی کا نام منسوخ۔"

ایک حکم کے دوسرے حکم کے خلاف ہونے کے معنی ابو جعفر النحاس نحوی نے اس جگہ یہ لئے ہیں :-

"ان کان الشیٔ حلالاً فحرم او کان حراماً فیحلل او کان مطلقاً فیحظر او کان محظوراً فیطلق او کان مباحاً فیمنع او ممنوعاً فیباح۔"

(کتاب الناسخ والمنسوخ صفحہ ۸)

کہ اگر ایک چیز حلال تھی تو اُسے حرام کیا جائے یا حرام تھی تو اُسے حلال کیا جائے یا مطلق تھی اُسے مقید کیا جائے یا مقید تھی تو اسے مطلق کیا جائے یا مباح تھی تو اس سے منع کر دیا جائے یا ممنوع تھی تو اسے مباح کر دیا جائے۔"

پس قائلین نسخ کے نزدیک امر، نہی، اطلاق، حظر کو

چاروں صورتوں میں نسخ ہوسکتا ہے۔ ہمارے نزدیک ابوجعفر نحاس کا مطلق کو مقید کرنے کی صورت کو نسخ اصطلاحی میں شامل کرنا درست نہیں۔ کیونکہ مطلق حکم کو دوسری آیت میں مقید کرنے کے معنی تو یہ ہیں کہ وہ دوسری آیت بمنزلہ تفسیر کے ہے۔ کہ اس حکم کو مطلق نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ۔ الآیۃ میں الدّم مطلق ہے مگر دوسری جگہ اس کی تفسیر میں دم مسفوح کی قید بیان کی گئی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آیت اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ کو دم مسفوح کو حرام قرار دینے والی آیت منسوخ نہیں کرتی۔ بلکہ اس کی تشریح کرتی ہے۔ اور اس طرح دونوں آیتوں کا حکم قائم رہتا ہے۔

نسخ اصطلاحی کی مختلف اقسام

نسخ کی تین صورتیں مانی جاتی ہیں:

اوّل: آیت کے ایک حکم کو باطل کر دینا لیکن اسکی تلاوت کو برقرار رکھنا۔

دوم: آیت کی تلاوت کو منسوخ قرار دینا لیکن اس کے حکم کو قائم رکھنا۔

سوم: تلاوت اور حکم دونوں کا منسوخ ہو جانا۔

پہلی قسم کا نسخ تو قرآن مجید میں کئی آیتوں میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ دوسری قسم کا نسخ بعض آیتوں میں۔ جیسے کہتے ہیں زنا کی سزا رجم کے حکم پر مشتمل آیت کی تلاوت منسوخ ہوگئی ہے مگر اس کا حکم باقی رکھا گیا ہے۔ تیسری قسم کی مثال یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ سورۃ توبہ کے برابر ایک سورۃ قرآن مجید میں نازل ہوئی تھی جو ساری کی ساری سوائے ایک آیت کے جو لَوْ اَنَّ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰى اِلَيْهِمَا ثَالِثًا وَلَوْ اَنَّ لَهٗ ثَالِثًا لَابْتَغٰى اِلَيْهِ رَابِعًا وَلَا يَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ اللّٰهُ يَتُوْبُ عَلٰى مَنْ تَابَ کے منسوخ ہوئی۔ پھر یہ آیت بھی قرآن مجید میں موجود نہیں رہی۔

مگر ہمارے نزدیک نسخ کی یہ تمام اقسام قرآن مجید میں ناممکن الوقوع ہیں۔ قرآن مجید میں ایسے نسخ کو تسلیم کرنا اس کی عظمت اور شان رفیع کے منافی ہے۔

بنائے عقیدۂ نسخ فی القرآن

قرآن مجید میں اصطلاحی نسخ کے پائے جانے کا عقیدہ اسی بنا پر مبنی ہے کہ معاذ اللہ قرآن مجید کی آیات کے احکام میں تضاد، تعارض اور اختلاف پایا جاتا ہے۔

یہ خیال کہ قرآن مجید کے احکام ایک دوسرے کے اس طرح معارض اور متضاد ہیں کہ اگر قرآن مجید کی کسی آیت میں ایک امر کو حلال ٹھہرایا گیا ہے تو کسی دوسری آیت میں اسے حرام ٹھہرا دیا گیا ہے۔ یا کسی آیت میں ایک بات کو حرام ٹھہرایا گیا ہے تو کسی دوسری آیت میں اسی امر کو حلال قرار دیا گیا ہے۔ سخت رد کرنے کے لائق ہے اگر یہ بات درست ہو تو پھر قرآن کریم کے اوامر و نواہی سے سرا سر امان اُٹھ جاتی ہے۔

مگر نسخ کے قائلین علماء قرآن مجید میں ایسی آیات موجود مانتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ جب ایسی دو آیتوں کا جو

اُن کے نزدیک نسخ کے قابل ہیں۔ باہمی تعلق قلتِ تدبر کی وجہ سے سمجھ نہیں سکے اور انہیں سطحی نظر سے قرآن مجید کی ایسی آیات میں اختلاف نظر آیا اسلئے انہوں نے ایسی دو آیتوں میں تطبیق دینے کی بجائے اس مشکل کا آسان حل یہ خیال کر لیا ہے کہ قرآن مجید میں ناسخ منسوخ آیات قرار دیدیں۔ گویا ان کے نزدیک خدا تعالیٰ نے پہلے ایک حکم دیا تھا پھر اُسے منسوخ فرما دیا ہے۔ اور پہلے ایک بات سے منع کیا تھا تو پھر اُسی کا حکم دیدیا ہے۔

اور اس طرح ان کے نزدیک ایک آیت سے دوسری آیت کا حکم ہمیشہ کے لئے اٹھا دیا گیا ہے۔ اب منسوخ آیات کی تلاوت تو باقی رہ گئی ہے مگر ان کا حکم اُٹھ گیا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر بعض علماء اسلام تو اس قسم کے نسخ کے بھی قائل ہیں کہ قرآن مجید میں ایک آیت نازل ہوئی تھی جو اب قرآن مجید میں موجود نہیں۔ بلکہ مرفوع التلاوت ہو چکی ہے۔ مگر اس کا حکم باقی ہے۔ چنانچہ زانی کی سزا رجم کو بعض علماء ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ کہ قرآن مجید میں پہلے اس کا حکم نازل ہوا تھا لیکن اب یہ آیت مرفوع التلاوت ہو چکی ہے۔ یعنی قرآن مجید میں آیت تو باقی نہیں رکھی گئی مگر اس کا حکم باقی رکھا گیا ہے۔ لیکن ایسی آیات کے مرفوع التلاوت ہونے کی کوئی معقول وجہ یہ علماء نہیں بتا سکتے۔ اور ان کا یہ خیال محض بعض احاد قابلِ تاویل اور کمزور روایات پر مبنی ہے جو عقیدہ کی بنیاد نہیں بن سکتیں۔

نسخ اصطلاحی کن وجوہ سے تسلیم کیا جاسکتا ہے

نسخ اصطلاحی اگر بالفرض قرآن مجید میں ہو تو صرف بوجوہ ذیل تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اگر ان وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی نہ پائی جائے تو نسخ اصطلاحی قرآن مجید میں تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

اوّل:۔ یہ کہ خود خدا تعالیٰ نے جو شریعتِ قرآنیہ کا نازل کرنے والا ہے اپنی وحی جلی میں قرآن مجید میں خود یہ فرما دیا ہو کہ فلاں حکم جو قرآن مجید میں پہلے دیا گیا تھا میں منسوخ کرتا ہوں۔ یا اس حکم کو اب میں نے بالکل اٹھا دیا ہے۔ بلکہ ایسی وضاحت کرنا ضروری تھا۔ تاکہ التباس نہ رہے۔ جیسا کہ قوانینِ بشریہ میں بھی ایسی تصریح کو ضروری قرار دیا گیا ہے کہ فلاں حکم فلاں حکم سے منسوخ کیا جاتا ہے۔

دوم:۔ یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ شارع نبی ہیں خود بیان فرما دیں کہ فلاں حکم قرآنی کو اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے اٹھا دیا ہے۔

سوم:۔ یہ کہ دو آیتوں کے حکم میں ایسا قطعی تعارض اور اختلاف پایا جاتا ہو کہ ان دونو حکموں میں تطبیق کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکے۔ اور ہمیں قطعی علم تاریخی حاصل ہو جائے کہ فلاں آیت پہلے نازل ہوئی تھی اور فلاں بعد میں۔

اگر ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے تو قرآن مجید میں نسخ اصطلاحی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۴ پر لکھتے ہیں:۔

"قال ابن الحصار انما یرجع فی النسخ الی نقل صریح عن

رسول اللہ او عن صحابی و قد یحکم بہ عند وجود التعارض المقطوع بہ مع علم التاریخ لیعرف المتقدم والمتاخر"

کہ ابن الحصار نے کہا ہے کہ نسخ یا تو عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی واضح قول سے ثابت ہوگا۔ یا کسی صحابی کی نقل صریح (صریح روایت) موجود ہونے کی صورت میں تسلیم کیا جائے گا۔ جبکہ دو آیتوں میں قطعی تعارض (اختلاف) پایا جائے اور اس کے ساتھ ہی تاریخ کا بھی علم ہو کہ فلاں حکم پہلا ہے اور فلاں بعد کا۔"

پس ابن الحصار کے قول کے مطابق قرآن و حدیث میں نسخ تب تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کسی حکم کے نسخ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث موجود ہو یا صحابی کا قول موجود ہو۔ اور دونوں حکموں میں قطعی تعارض موجود ہو یعنی ایسا تعارض کہ تطبیق کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکے۔ مگر ایسے تعارض پائے جانے پر بھی نسخ ماننے کے لئے اس بات کا تاریخی علم ہونا چاہیئے کہ کونسا حکم مقدم ہے اور کونسا موخر۔ ابن الحصار کے نزدیک اگر ان طریقوں میں سے کوئی صورت موجود نہ ہو تو نسخ نہیں مانا جائیگا۔

قرآن مجید میں نسخ اصطلاحی کی وجوہ موجود نہیں

ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ بات بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے کسی آیت کے متعلق خود فرمایا ہو کہ اس کا حکم کلیۃً اٹھا دیا گیا ہے اور نہ ہی کوئی مرفوع حدیث نبوی ملتی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ قرآن مجید کی فلاں آیت کا حکم اللہ تعالیٰ نے فلاں دوسری آیت کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے اٹھا دیا ہے۔ اگر نسخ کا عقیدہ درست ہوتا تو کم از کم کوئی روایت تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی کہ قرآن کریم کی فلاں آیت کے ذریعہ فلاں آیت منسوخ کی گئی ہے۔ کسی صحابی کا کوئی قول بھی نسخ اصطلاحی کے بارہ میں ایسی دو آیتوں کے متعلق موجود نہیں جن میں قطعی تعارض موجود ہو۔ اور ساتھ ہی تاریخی شہادت موجود ہو کہ فلاں آیت مقدم ہے اور فلاں متاخر۔

پس قرآن مجید میں نسخ پایا جانے کا دعوےٰ ان طریقوں میں سے کسی طریق سے ثابت نہیں۔ لہذا یہ دعوےٰ سراسر باطل ہے۔

ہاں علماء نے بعض آیات میں سطحی نظر سے تعارض پا کر ان میں چونکہ تطبیق دینے کی پوری کوشش نہیں کی، اسلئے انہوں نے تعارض کو قطعی قرار دیکر نسخ کا حکم لگا دیا ہے۔ حالانکہ اگر ان آیتوں میں تدبر کیا جاتا تو دونوں آیتوں میں تطبیق کی صورت معلوم کی جا سکتی تھی۔ خدا تعالےٰ کے فضل سے ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی دو آیتیں ایسی موجود نہیں جن کے احکام میں قطعی تعارض اور اختلاف پایا جاتا ہو۔ بلکہ سارے کا سارا قرآن مجید قابل عمل ہے اور اس میں کوئی ایسی دو آیتیں موجود نہیں جن میں سے ایک نے دوسری کے حکم کو کلیۃً یا ہمیشہ کیلئے

کے لئے اُٹھا دیا ہو۔

اب ۔ رہا کسی صحابی کا قول نسخ کے متعلق۔ سو اس بارہ میں عرض ہے کہ ایسے اقوال کا حال یہ ہے کہ اگر ایک صحابی دو آیتوں کو ناسخ منسوخ قرار دیتے ہیں تو ایک دوسرے صحابی بھی ایسے بھی مل جاتے ہیں جو ان دونوں آیتوں میں نسخ نہیں مانتے بلکہ انہیں محکم قرار دیتے ہیں۔ پس جب صحابہ کرام میں نسخ کے بارہ میں اس طرح کا اختلاف بھی موجود ہے تو پھر کسی صحابی کے قول پر قرآن مجید میں نسخ اصطلاحی پایا جانے کے خیال کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً جبکہ خود علماء مانتے ہیں کہ صحابی کا قول حجت شرعی بھی نہیں ہے۔ صحابہ کی روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نسخ کا خیال محض ایک ذوقی امر رہا ہے۔ ایک نے اپنے مذاق کے لحاظ سے دو آیتوں میں نسخ کی رائے دی تو دوسرے نے ان میں نسخ نہیں مانا۔ پس ہمیں ایسی روایات میں سے انہیں صحابہ کی روایت کو ترجیح دینی چاہیئے جو دونوں قسم کی آیات میں نسخ کے قائل نہیں کیونکہ خود اُن کا باہمی اختلاف نسخ کے عقیدہ کی بنیاد کو سخت کمزور بنا رہا ہے۔ علاوہ ازیں نسخ کے بارہ میں صحابہ کی روایات سب ضعیف ہیں۔ چنانچہ علامہ طبرسی جو بڑے پایہ کے عالم مانے گئے ہیں فرماتے ہیں کہ:-

"الروایات فی النسخ کلها ضعیفة"

مزید برآں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین قرآن مجید میں اصطلاحی نسخ پایا جانے کے قائل نہ تھے بلکہ وہ نسخ کا لفظ صرف اس کے لغوی معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ پس صحابہ کرامؓ کے نزدیک قرآن مجید میں نسخ اصطلاحی موجود نہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

"آنچہ از استقرائے کلام صحابہ و تابعین معلوم مے شود آں ست کہ ایشاں نسخ را استعمال مے کردند بازائے معنی لغوی کہ ازالۂ چیزے است بچیزے نہ بازائے مصطلح اصولیاں۔ پس معنی نسخ نزدیک ایشاں ازالۂ بعض اوصاف آیتے است بآیتِ دیگر خواہ انتہائے مدتِ عمل باشد یا صرفِ کلام از معنی متبادر بغیر متبادر یا بیانِ اتفاقی بودن قیدے یا تخصیصِ عامے یا بیانِ فارق درمیان منصوص و آنچہ مقیس بر آں است ظاہراً یا ازالۂ عادتِ جاہلیت یا شریعتِ سابقہ پس باب نسخ نزدیک ایشاں باب واسعے آمد و عقل را در آنجا جولانی شد و اختلاف را گنجائش لہذا عدد آیات منسوخہ بپانصد رسانیدہ اند و اگر نیک بنگری غیر محصور است و اما آنچہ باصطلاح متاخرین منسوخ است از عدد قلیل بیش نیست لاسیما بحسب توجیہے کہ ما اختیار

کردہ ایم۔" (تفسیر فوز الکبیر ص ۱۶)

(ترجمہ) یعنی صحابہ کرام اور تابعین کے کلام کی چھان بین کرنے سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ نسخ کا لفظ صرف لغوی معنوں میں استعمال کرتے تھے نہ کہ اصولیوں کی اصطلاح میں۔ پس نسخ کے معنی ان کے نزدیک کسی آیت کی بعض اوصاف کا دوسری آیت سے زائل ہونا ہوتے ہیں خواہ اس سے مراد یہ ہو کہ پہلی آیت کے عمل کی مدت ختم ہو گئی ہے یا یہ ہو کہ آیت کے جو معنی متبادر تھے (یعنی عام طور پر سمجھے گئے تھے) دوسری آیت بتا دے کہ ان کے بجائے اس جگہ غیر متبادر یعنی دوسرے معنی مراد ہیں جو پہلے ذہن میں نہیں آئے۔ یا نسخ سے مراد ان کی یہ ہوتی تھی کہ فلاں آیت میں ایک قید اتفاقی موجود تھی۔ یا نسخ سے ان کی یہ مراد ہوتی ہے کہ ایک حکم پہلے عام تھا اب اسے خاص کر دیا گیا ہے۔ یا وہ نسخ سے یہ مراد لیتے تھے کہ ایک نص پر جو امر ظاہری معنوں کے لحاظ سے قیاس کیا گیا تھا دوسری آیت نے اس قیاس کو درست قرار نہیں دیا۔ یا نسخ کا لفظ اس بات کے لئے بولتے تھے کہ کسی آیت نے جاہلیت کی ایک رسم و عادت یا شریعت سابقہ کو مٹایا ہے۔ غرض نسخ کے معنی ان کے نزدیک بہت وسیع ہیں عقل و فکر کیلئے ایسے نسخ میں جولانی کی وسیع گنجائش ہے۔ اور اس طرح منسوخ آیات کی تعداد پانچسو تک پہنچائی گئی۔ بلکہ اگر اچھی طرح چھان بین کی جائے تو ایسی آیات بے شمار ہیں لیکن متاخرین علماء کی اصطلاح کے مطابق خصوصاً اس توجیہ کے لحاظ سے جو ہم نے اختیار کی ہے منسوخ آیات کی تعداد عدد قلیل سے زیادہ نہیں۔"

نسخ کے عقیدہ کی کمزوری کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ منسوخ آیات کی تعداد میں بھی بڑا بھاری اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض علماء پانچسو آیتیں ناسخ منسوخ قرار دیتے ہیں اور بعض بیس اور بعض صرف پانچ۔ اور بعض قرآن میں نسخ کے قطعاً منکر ہیں۔

چنانچہ ابو جعفر احمد بن اسماعیل النحوی مصری المتوفی سنہ ۳۳۸ھ نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں ۲۵۰ آیات درج کی ہیں۔ جن میں ۱۰۰ کو منسوخ قرار دیا جاتا ہے۔ اور پھر ان کے نسخ و عدم نسخ کے بارہ میں علماء و مفسرین کا اختلاف بھی درج کیا ہے۔ کہ بعض فلاں آیت کو بدیں وجہ منسوخ قرار نہیں دیتے اور بعض منسوخ قرار دیتے ہیں۔

لیکن علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر اتقان میں صرف بیس آیات منسوخ قرار دی ہیں اور

ابن الحصار کا یہ قول درج فرمایا ہے کہ:-

"لا یعتمد فی النسخ قول عوام المفسرین بل ولا اجتهاد المجتهدین من غیر نقل صریح ولا معارضة بینة لان النسخ رفع حکم واثبات حکم تقرر فی عهده صلی الله علیه وسلم والمعتمد فیه النقل والتاریخ دون الرأی والاجتهاد"

(اتقان جلد ۲ صفحہ ۲۲)

کہ نسخ کے بارہ میں عام مفسرین کے قول پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا بلکہ نقل صریح اور واضح معارضہ کے بغیر مجتہدین کے اجتہاد پر بھی نسخ کے بارہ میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ نسخ ایک حکم کے اٹھا دینے اور دوسرے حکم کے قائم کرنے کا نام ہے۔ جبکہ ایک حکم کا اٹھایا جانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرار پا چکا ہو۔ پس اس بارہ میں صرف نقل (روائت) اور تاریخ پر اعتماد کیا جائیگا رائے اور اجتہاد پر اعتماد نہیں کیا جائیگا۔"

میں بتا چکا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک نسخ کے بارہ میں کوئی روایت نہیں پہنچی۔ پھر نسخ کے بارہ میں خود صحابہ میں اختلاف موجود ہے۔ ایک صحابی اگر ایک آیت کو منسوخ قرار دیتا ہے تو دوسرا اُسے محکم قرار دیتا ہے۔ پس روایات صحابہ میں یہ واضح اختلاف بھی نسخ کی بنیاد کو گرا رہا ہے۔

خدا تعالیٰ بے شمار برکتیں اور رحمتیں نازل کرے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمۃ پر کہ انہوں نے علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی منسوخ قرار دادہ بیس آیتوں میں سے پندرہ آیتوں کو خود حل کر دیا ہے۔ اور صرف پانچ آیتوں میں وہ تطبیق نہیں دے سکے۔ اور لکھتے ہیں کہ:-

"علی ما حررت لا یتعین النسخ الا فی خمس آیات۔" (فوز الکبیر صفحہ ۱۱)

کہ میری تحریر کے مطابق نسخ صرف پانچ قرآنی آیتوں میں متعین ہوتا ہے۔"

اب آپ حضرات غور کریں قائلین نسخ فی القرآن کا دعویٰ کتنا بودا اور کمزور ہے کہ پہلے قرآن مجید میں پانچسو آیتیں منسوخ قرار دی جاتی تھیں جو اب گھٹتے گھٹتے آخر پانچ رہ گئی ہیں۔ اگر نسخ فی القرآن کا عقیدہ کسی مضبوط دلیل پر مبنی ہوتا تو اکثر منسوخ قرار دادہ آیات متفقہ طور پر منسوخ قرار دی جاتیں۔ اور اس طرح وہ پانچ سو سے گھٹتی گھٹتی صرف پانچ نہ رہ جاتیں۔

صاف ظاہر ہے کہ آیات قرآنیہ میں نسخ کا عقیدہ محض رائے اور قیاس پر مبنی ہے نہ کسی قطعی دلیل پر۔ جو علماء دو آیتوں میں تعلق نہیں سمجھ سکے اور قلتِ تدبر کی وجہ سے ان دو آیتوں کے حکموں میں بظاہر اختلاف دیکھ کر تطبیق نہیں دے سکے اس لئے انہوں نے ایک آسان راہ یہ اختیار کرلی کہ اس بات کا تاریخی علم حاصل کئے بغیر کہ فلاں

آیت کی ہے اور فلاں پچھلی شخص اپنی ناقص عقل کو اپنا رہنما بنا کر وحی الٰہی قرآنی کو منسوخ قرار دینے لگ پڑے۔

اللہ تعالیٰ ہزار ہزار رحمتیں اور برکتیں نازل کرے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اور آپ کے خلفاء پر جن کا ہم پر یہ بھاری احسان ہے کہ اس زمانہ میں انہوں نے یہ آواز بلند کی کہ قرآن مجید کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ ان کے اس اعلان کے بعد آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف مصر میں علامہ خضری اپنی کتاب "اصول الفقہ" میں ان بیس آیات کو حل کر رہے ہیں تو دوسری طرف ہمارے ملک کے ایک جید عالم سید سلیمان صاحب ندوی کے ذریعہ ابومسلم خراسانی کے اس علم کو زندہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ قرآن مجید میں کوئی آیت منسوخ نہیں۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ تیسری صدی ہجری میں جس میں امام ابوجعفر النحوی مصری نے کتاب الناسخ و المنسوخ لکھی ہے ایک زبردست عالم امام ابومسلم محمد بن بحر انی گزرے ہیں (۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے ۳۲۲ ہجری میں وفات پائی۔) اس عالم جلیل نے اپنے زمانہ میں قرآن مجید میں نسخ پایا جانے کا صریح انکار کیا اور ۱۴ جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی جو حوادث زمانہ کا شکار ہو گئی۔ علامہ سید سلیمان ندوی صاحب نے اپنے ایک رفیق کار سعید صاحب انصاری کو ہدایت فرمائی کہ ابومسلم اصفہانی کے مٹے ہوئے علم کو پھر زندہ کیا جائے۔ چنانچہ سعید صاحب انصاری نے سید صاحب موصوف کی ہدایت پر کمر ہمت باندھی اور امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر سے ابومسلم اصفہانی کی تفسیر کو جمع کیا اور ایک کتاب بنام "ملتقط جامع التاویل لمحکم التنزیل" کے نام سے شائع فرمائی۔ اس میں سعید صاحب انصاری رقمطراز ہیں:-

"کان کذ لک برھۃ من الزمان حتی انتھت کرامۃ اللہ فی علومہم الی ابی مسلم الاصفہانی وابی القاسم البلخی وابی بکر الاصم والقفال وغیرھم فوصفوا فی التفسیر کتبا وضحوا بھا سبل السلام وارفعوا بھا اعلام الحق وثبتوا ارجاء الاسلام قطعوا نزعات اولی الفلسفۃ وازو اشبھات الملحدین وکان احسنہم تاویلا واشرفھم واسدھم رأیا واصوبھم ابومسلم الاصفہانی صاحب ایادی البیضاء فی التفسیر والآیات الباھرات فی التاویل وکان کتابہ اربعۃ عشر مجلدا فلعبت بہ ایدی الزمان فلا توجد نسخۃ منہ فی مکان وانما بقی ما بقی منہ فی تصانیف التفسیر الرازی۔"

سید انصاری صاحب کی اس عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:-

"زمانہ کا حال کچھ عرصہ اسی طرح رہا۔ یہاں تک کہ خدا تعالےٰ نے اپنے علوم دینیہ سے ابو مسلم اصفہانی اور ابو القاسم بلخی اور ابوبکر اصم اور قفال وغیرہ کو نوازا۔ ان بزرگوں نے تفسیریں لکھیں۔ اور ان میں سلامتی کے راستہ کو واضح کیا اور سچائی کے علم بلند کئے اور اسلام کی اطراف (علمی سرحدوں) کو مضبوط کیا اور اہل فلسفہ کی ترا خولہ کو کاٹ ڈالا اور ملحدین کے شبہات کو نمایاں کیا۔ ان سب میں سے ابو مسلم اصفہانی اعلیٰ اور مضبوط اور درست رائے والا ہے۔ یہ تو علم تفسیر میں یدِ بیضا اور علم التاویل میں روشن آیات کا مالک ہے۔ اس کی تفسیر کی چودہ جلدیں تھیں جو حوادثِ زمانہ سے ضائع ہو گئیں اور اب اُن کا کوئی نسخہ نہیں ملتا۔ اب اُن میں سے صرف وہ کچھ باقی رہ گیا ہے جو امام رازی کی تصانیف میں ملتا ہے۔

پھر وہ لکھتے ہیں :-

"مجھے مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے جو دار المصنفین کے قیام میں تحریک فرمائی کہ میں ابو مسلم اصفہانی کے مٹے ہوئے علم کو زندہ کروں اور اس کی منتشر باتوں کو جمع کر دوں۔ چنانچہ اس کام کے لئے میں نے کمر ہمت باندھی اور امام رازی علیہ الرحمۃ کی تفسیر کی ورق گردانی سے ابو مسلم کی نصوص کو نکال لیا اور پھر ان کی کانٹ چھانٹ اور تصحیح کے بعد انہیں قرآنی سورتوں کی ترتیب پر مرتب کر دیا۔ اس امید پر کہ اس طرح ابو مسلم کی متفرق نصوص اور اس کے ادھر اُدھر بکھیرے ہوئے افکار ترتیب پا جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ ہمارے زمانہ کے ملحدوں (بے دینوں) کو ناک چنے چبوائے گا اور ہمارے زمانہ کے شک کرنے والوں کو (شک کی بیماری سے) شفا دیگا۔ یہ وہ کتاب ہے جس کا نام میں نے ملتقط جامع التاویل لمحکم التنزیل رکھا ہے۔ یہ (جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے) دراصل (ابو مسلم اصفہانی کے) کثیر میں سے قلیل ہے اور اس کے سمندروں سے ایک قطرہ ہے۔" (ملتقط جامع التاویل لمحکم التنزیل)

سعید صاحب انصاری کی اس کتاب میں ان پانچ آیات میں سے جنہیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی منسوخ قرار دیا ہے تین کا حل موجود ہے۔ بہرحال سید سلیمان صاحب ندوی کا رجحان بھی اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی آیت قطعی طور پر منسوخ نہیں ورنہ

وہ سعید صاحب انصاری سے ابو مسلم کے علوم کی تجدید نہ کراتے۔ اس کتاب میں امام ابو مسلم اصفہانی کی طرف سے صاف یہ دعویٰ درج کیا گیا ہے۔

انہ لا نسخ فی القرآن

کہ قرآن مجید میں کوئی آیت منسوخ نہیں۔ اور پھر اس دعویٰ پر تین دلیلیں بھی دی گئی ہیں اور قائلین نسخ کے دلائل کو بھی توڑا گیا ہے۔

اسی طرح زمانہ حال کے ایک عالم علامہ خضری مصری نے اپنی کتاب "اصول فقہ" میں علامہ جلال الدین سیوطی صاحب اتقان کی پیش کردہ بیس منسوخ آیات کو پیش کرکے امام ابو مسلم اصفہانی کے طریق پر ان ساری آیات میں تطبیق دیکر دکھائی ہے۔ گویا ان دونوں عالموں نے گو ابو مسلم اصفہانی کا سہارا لیکر منسوخ قرار دادہ آیات کا حل پیش کیا۔ تاہم ان کا یہ فعل اس حد تک بہت قابل تعریف ہے۔ اور اُمت پر ایک بڑا احسان ہے کہ انہوں نے دین سے دلچسپی رکھنے والوں کے دلوں سے اس طرح عقیدہ نسخ فی القرآن کے خیال کو نکالنے کی کوشش کی ہے۔

ردِ نسخ میں قرآنی دلائل

قرآن مجید میں نسخ پایا جانے کا دعویٰ ایک ایسا دعویٰ ہے جسے خود قرآن مجید کی متعدد آیات رد کر رہی ہیں۔ میں اس جگہ ان آیات میں سے صرف چند آیات اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتا ہوں:-

اوّل | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔

(سورۃ النساء رکوع ۱۱ پ ۵)

کہ کیا یہ لوگ قرآن مجید میں تدبر سے کام نہیں لیتے۔ اور اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا بلکہ کسی اور کا کلام ہوتا تو وہ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

گویا اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ میرا کلام جو قرآن مجید میں نازل ہوا ہے اختلاف سے پاک ہے۔ کیونکہ اختلاف غیر اللہ کے کلام میں پایا جا سکتا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں۔ لہٰذا اگر قرآن مجید غیر اللہ کلام ہوتا تو اس میں (تھوڑا تھوڑا) بہت سا اختلاف پایا جاتا۔ آیت کے شروع میں یہ فرمانا کہ کیا لوگ قرآن مجید میں تدبر نہیں کرتے یہ بتانے کے لئے ہے کہ قرآن مجید میں بظاہر جو تھوڑا سا اختلاف کسی کو نظر آئے تو یہ عدم تدبر کا نتیجہ ہوگا۔ ورنہ قرآن مجید میں تدبر کرنے والے کو اس کی تمام آیات ایک دوسری سے موافقت اور مطابقت رکھنے والی دکھائی دیں گی۔ جب قرآن مجید کی آیات میں اختلاف موجود نہیں تو قرآن مجید میں اصطلاحی نسخ پایا جانے کا خیال بھی باطل قرار پایا۔ کیونکہ قرآن مجید میں اصطلاحی نسخ ماننے کا عقیدہ اسی بات پر مبنی ہے کہ اس کی بعض آیات میں قطعی اختلاف و تعارض موجود ہے جس میں تطبیق نہیں دی جا سکتی۔

پس قرآن مجید میں نسخ اصطلاحی ماننا، قرآن مجید

میں قطعی تعارض اور اختلاف کو قبول کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اختلاف پایا جانے کو کلام الٰہی کی شان کے منافی قرار دیتا ہے۔

دوم | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ان الذین کفروا بالذکر لما جاءھم وانہ لکتاب عزیز لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

کہ جن لوگوں نے الذکر یعنی قرآن مجید کا انکار کیا ہے جبکہ یہ ذکر ان کے پاس آیا (ان کو معلوم ہونا چاہیئے) کہ یقیناً یہ ایک غالب آنے والی کتاب ہے جس کے سامنے سے بھی باطل نہیں راہ پاتا اور اس کے پیچھے سے بھی باطل راہ نہیں پاتا۔ (یعنی اس کے کسی حکم کو نہ کوئی موجودہ لوگوں میں سے باطل یا ناقابلِ عمل ثابت کر سکتا ہے اور نہ پیچھے آنے والے لوگوں میں سے کوئی اس کے کسی حکم کو ہمیشہ کے لئے ناقابلِ عمل قرار دے سکتا ہے) یہ تو حکیم اور حمید خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے لہٰذا اس کی تمام تعلیم حکمت پر مبنی ہے اور قابلِ تعریف ہے۔

اس آیت میں سارے قرآن مجید کو الذکر قرار دیا گیا ہے یعنی ایسی تعلیم جس کا یاد رکھنا ضروری ہے اور جس پر عمل کرنے سے بلندی اور رفعت حاصل ہوتی ہے۔ الذکر کے معنی بلند اور شرف دینے والی تعلیم ہوتی ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم افلا تعقلون (الانبیاء رکوع اوّل)

ہم نے یقیناً تمہاری طرف ایک ایسی کتاب اتاری ہے جس میں تمہارے دینی اور دنیوی شرف کا سامان موجود ہے۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

پھر فرمایا نہ موجودہ زمانہ میں جبکہ یہ کتاب نازل ہوئی اس کا کوئی حکم ناقابلِ عمل قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ اسکے بعد اس کے کسی حکم کو کوئی ناقابلِ عمل ثابت کر سکتا ہے۔ پس جبکہ سارا قرآن مجید الذکر ہے اور قابلِ عمل قرار دیا گیا ہے تو اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ نسخ کے معنی قاموس میں ابطال بھی لکھے ہیں۔ ان معنی میں قرآن مجید میں نسخ کا پایا جانا صریح طور پر اس آیت کے رُو سے مردود خیال ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کے کسی حکم کا ابطال نہیں ہو سکتا۔ یعنی وہ حکم ہمیشہ ہمیش کے لئے ناقابلِ عمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سوم | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون

(سورۃ حجر رکوع ۱)

کہ بے شک ہم نے ہی الذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

اب اگر قرآن مجید کے الفاظ تو موجود ہوں لیکن اس کی
کسی آیت کے حکم کا جس کی مخاطب اُمت محمدیہ بھی اُٹھ
جانا تسلیم کر لیا جائے تو یہ امر اس کی حفاظت کے وعدہ
کے خلاف ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ نسخ کے بارہ میں
مرفوع التلاوت آیات کے متعلق روایات اور ایسی روایات
کہ قرآن مجید کی بعض آیات صحیفہ عثمانی میں درج نہیں
کی گئیں قرآن مجید کے اس صریح اور واضح مؤکد وعدہ
الٰہی کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ تاویل یا قابلِ رد
ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بعض عبارات کو جو وحی خفی پر مشتمل
ہوں غلطی سے قرآن مجید کا حصہ سمجھ لیا گیا ہو۔ حالانکہ
دراصل وہ قرآن مجید کی وحی متلو کا حصہ نہ ہوں۔ اگر
قرآنی آیات کا جن کی حفاظت کا وعدہ تھا قرآن مجید میں
درج ہونے سے رہ جانا تسلیم کیا جائے تو خدا تعالےٰ
نے قرآن مجید کی حفاظت کا جو وعدہ کیا تھا اس میں معاذ اللہ
وعدہ خلافی ماننا پڑے گی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ وعدہ خلافی
سے پاک ہے۔ وہ خود فرماتا ہے۔ انّ اللہ لا یخلف
المیعاد۔

چہارم | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

انّ ھٰذا القرآن یھدی للتی
ھی اقوم (سورہ بنی رکوع ۱)
کہ یقیناً یہ قرآن انہیں راستوں کو بتاتا
ہے جو اقوم یعنی انتہائی سچے اور قائم
رہنے والے ہیں۔

پس اس آیت کی موجودگی میں قرآن مجید کی کسی آیت
کے حکم کا جو اُمت کی بہتری اور بھلائی کے لئے نازل
ہوا ہمیشہ ہمیش کے لئے اُٹھ جانا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

پنجم | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

کتاب انزلناہ الیک مبارک
لیدبروا ایاتہ ولیتذکر
اولوا الالباب (ص رکوع ۳)
کہ اے نبی ہم نے تیری طرف یہ مبارک
کتاب اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیات
پر تدبر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت
حاصل کریں"

پس سارا قرآن مجید اس آیت میں بابرکت اور
قابلِ عمل نصائح پر مشتمل قرار دیا گیا ہے۔ ضرورت
صرف تدبر کرنے کی ہے۔ تدبر کرنے والا ہر قرآن مجید
سے قابلِ عمل نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ پس اس کی
کوئی آیت منسوخ قرار نہیں دی جا سکتی۔

ششم | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ویری الذین اوتوا العلم الذی
انزل الیک الحق ویھدی الیٰ
صراط العزیز الحمید (سبا ع ۱)
کہ اہلِ علم اس کو جو تیری طرف نازل ہوا
حق جانتے ہیں اور یہ غالب اور تعریف
والی ہستی کی راہ کی طرف راہ نمائی
کرتا ہے"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ سارا قرآن مجید ضرورت
حقہ پر نازل ہوا ہے اور خدا تعالیٰ کی راہ دکھاتا ہے

پس اس کی کوئی آیت ایسی قرار نہیں دی جاسکتی جس کا کوئی حکم امت محمدیہ کے لئے ہمیشہ ہمیش کے لئے اُٹھ گیا ہو اور اس کی ضرورت حقہ دنیا میں نہ پائی جاتی ہو لیکن قرآن مجید میں نسخ اصطلاحی ماننے کی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اب بعض آیات جو قابلِ عمل نہیں ہیں ان کی ضرورت حقہ ہمیشہ کے لئے مفقود ہے اور ان پر عمل کرنے سے انسان کو عزیز حمید خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے رہنمائی حاصل نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ امر اس آیت کے خلاف ہے۔ پس قرآن مجید سارے کا سارا ہادی اور رہنما ہے اور اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔

ہفتم | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

الٓر۔ کتاب احکمت ایاتہ
ثم فصلت من لدن حکیم
خبیر۔

کہ میں اللہ تعالیٰ حالات کو خوب دیکھ کر
گواہی دے رہا ہوں یہ ایک ایسی
کتاب ہے جس کی سب آیات محکم ہیں اور
پھر ان کی حکیم و خبیر خدا تعالیٰ کی طرف سے
تفصیل بیان کی گئی ہے۔"

پس جب قرآن مجید کی تمام آیات کو ایک لحاظ سے محکمات قرار دیا گیا ہے تو پھر ان میں حقیقی تعارض اور اختلاف کیسے پایا جا سکتا ہے۔ منسوخ بھی محکم کی ضد ہے۔ جب قرآن مجید کی سب آیات کے محکم ہونے کا دعویٰ صاف صاف طور پر قرآن مجید میں ہی موجود ہے اور تدبر کرنے سے سب آیات متشابہات بھی محکمات بن جاتی ہیں تو اس کی آیات میں نسخ اصطلاحی پایا جانے کا دعویٰ غلط قرار پایا۔

قائلین نسخ فی القرآن کے دلائلِ قرآنی اور ان کا رد

قرآن مجید میں نسخ اصطلاحی پایا جانے کے متعلق قائلین نسخ قرآن مجید کی دو آیتوں کو دلیل قرار دیتے ہیں۔

اوّل | یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا
نات بخیر منھا او مثلھا۔

کہ ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا اُسے
بھلا دیتے ہیں، اس سے بہتر لاتے ہیں
یا اس کے مثل لاتے ہیں۔"

اس آیت سے یہ استنباط کیا جاتا ہے کہ اس جگہ "اٰیۃ" سے مراد قرآن مجید کی آیت ہے اور اس جگہ قرآن مجید کی بعض آیات کے منسوخ کرنے اور ان کی جگہ اور آیات لانے کا ذکر ہے۔

حالانکہ اگر سیاق کلام کو دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ اس آیت کا تعلق صرف پچھلی شریعتوں سے ہے جنہیں قرآن مجید نے منسوخ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس سے پہلے مذکور ہے کہ یہودی قرآن مجید پر اس لئے ایمان نہیں لاتے تھے کہ یہ بنی اسرائیل پر نازل نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین تم پر کسی خیر (یعنی کتاب الٰہی) کا نازل ہونا پسند نہیں کرتے (اسکی

وجہ یہی تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح ہمارا دین منسوخ ہوجاتا ہے) اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم جو کوئی بات منسوخ کرتے یا بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسکے مثل لے آتے ہیں۔ گویا یہ بتایا ہے کہ اگر ہم نے شریعت موسوی منسوخ کردی ہے تو اس سے بہتر اور اس کے مثل شریعت نازل بھی کردی ہے۔ پس یہ امر سیاقِ کلام سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ آیت مَا ننسخ کا تعلق اہل کتاب سے ہے اور اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ سابقہ الہامی کتب دو قسم کی آیات پر مشتمل تھیں۔ کچھ آیات تو ان میں ایسے احکام پر مشتمل تھیں جو وقتی تھے اور جن لوگوں کی طرف وہ شریعتیں بھیجی گئی تھیں ان کے زمانہ کے مخصوص حالات کے متعلق ان میں احکام دیئے گئے تھے اور کچھ آیات ان میں ایسی تھیں جو ابدی صداقتوں اور احکام پر بھی مشتمل تھیں۔ ان میں سے کچھ احکام کو یہ قومیں بھول چکی تھیں اور اس وجہ سے ان پر عامل نہیں رہی تھیں۔ پہلی قسم کے احکام جو وقتی تھے انہیں قرآن مجید کے ذریعہ منسوخ کیا گیا ہے اور ان سے بہتر تعلیم پیش کی گئی ہے۔ اور وہ ابدی صداقتیں اور احکام جنہیں یہ قومیں بھول چکی تھیں انہیں نئے سرے سے قرآن مجید میں بیان کردیا گیا ہے۔ پس اس آیت میں نأت بخیر منها اور مثلها کے الفاظ بطور لف و نشر مرتب کے ہیں۔ نأت بخیر منها کے الفاظ کا تعلق سابقہ کتب کی منسوخ آیات سے ہے کہ ان کے بدلے جو آیات قرآن مجید میں نازل کی گئی وہ اپنی تعلیم کے لحاظ سے ان پہلی آیات سے بہتر ہیں۔ اور مثلها کا تعلق ان آیات سے ہے جو بھلا دی گئی تھیں۔ اسلئے اب ان کے مثل احکام قرآن مجید میں دوبارہ نازل کردیئے گئے ہیں۔ پس اس آیت میں کوئی لفظ اس بات پر دال نہیں کہ قرآن مجید کی کسی آیت کو منسوخ کیا گیا ہے۔ او ننسها کا لفظ بھی اس پر دلیل ہے کہ اس کا تعلق قرآنی آیتوں سے نہیں۔ کیونکہ اس بات کا حقیقۃً کوئی ثبوت موجود نہیں کہ قرآن مجید کی کوئی آیت چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھول گئی تھی اسلئے اس کے مثل کوئی دوسری آیت نازل کی گئی۔

ماسوا اس کے اس آیت کے نزول سے پہلے ابھی تک کوئی ایسی آیت ہی نازل نہیں کی گئی تھی جسے بقول مفسرین منسوخ قرار دیا گیا ہو۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ اس آیت کا تعلق قرآن مجید کی کسی آیت کے منسوخ ہونے سے نہیں ہوسکتا۔

اگر بالفرض زیر بحث آیت کا تعلق قرآن مجید سے بھی سمجھا جائے تو بھی قرآن مجید میں نسخ اصطلاحی کا پایا جانا ضروری نہیں۔ کیونکہ آیت ہذا جملہ شرطیہ پر مشتمل ہے۔ اور شرط کا متحقق ہونا ضروری نہیں۔ پس اس لحاظ سے اس آیت سے قرآن مجید میں حتمی طور پر کسی منسوخ آیت کے پائے جانے کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اگر بالفرض کوئی قرآنی آیت منسوخ ہوچکی ہے تو وہ اب اس موجودہ قرآن مجید میں موجود نہیں۔

دوم | دوسری آیت جسے نسخ فی القرآن کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے یہ ہے:-

واذا بدّلنا اٰیۃ مکان اٰیۃ
قالوا انّما انت مفتر....

کہ اے نبی! جب ہم ایک کی جگہ دوسری
آیت تبدیل کرتے ہیں تو معترض کہتے
ہیں یقیناً تو مفتری ہے۔

مگر میں کہتا ہوں اس آیت کے بھی ہرگز یہ معنی نہیں کہ قرآن مجید کے کسی حکم کو بدل کر دوسرا حکم لائیں تو یہ تمہیں مفتری کہتے ہیں قرآن مجید کی وحی کا کوئی حکم بدلا نہیں گیا۔

اس بارہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم اس بات کے منکر نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض ایسے احکام تبدیل ہوئے جو وحی خفی کے ذریعہ نازل ہوئے تھے۔ ہاں ہمیں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ قرآن مجید کے اندر مذکور اور موجود احکام میں سے کسی حکم کو بدلا گیا ہو۔ اور اسے کلیۃً اور ہمیشہ ہمیش کے لئے اٹھا کر اس کے عوض اُمّتِ محمّدیہ کو دوسرا حکم اس طرح دیا گیا ہو کہ اب پہلے حکم پر عمل کرنا ہر حالت میں ناجائز ہو۔

پھر آیت کے معنی دلیل اور نشان بھی ہوتے ہیں چنانچہ تاج العروس میں ہے۔ الاٰیۃ الرسالۃ وتستعمل بمعنی الدلیل والمعجزہ۔ اسی طرح پیشگوئی کو بھی قرآن مجید میں اٰیۃ قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ علماء کو مسلّم ہے کہ وعید کی پیشگوئیاں اصلاح کر لینے پر ٹل جاتی ہیں اور اس طرح گویا انذار سے تبشیر میں بدل دی جاتی ہیں۔ قرآن کریم کی کئی آیات میں آیت کا لفظ نشان، دلیل اور معجزہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے:۔

اِذھب انت واخوک باٰیاتی۔

نیز فرماتا ہے:۔

وما نُریھم من اٰیۃ الّا ھی
اکبر من اختھا۔

کہ ہم انہیں جو نشان دکھاتے ہیں وہ
اپنے ساتھ والے (پہلے) نشان سے
بڑا ہوتا ہے"

نیز فرماتا ہے:۔

واٰیۃ لھم الارض المیتۃ

کہ مُردہ زمین بھی ان کے لئے نشان ہے جسے ہم نے
زندہ کیا۔"

اگر قرآنی ترتیب کو مدّنظر رکھیں تو اس آیت سے پہلی جو آیت ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تاللّٰہ لقد ارسلنا الیٰ اُمم من قبلک۔ اس آیت میں سب قوموں کی طرف نبی بھیجا جانے کا ذکر ہے۔ کفار نے اس پر اعتراض کیا کہ اگر پہلے بھی نبی گذرے ہیں تو چاہیئے تھا کہ قرآن کریم کی تعلیم ان کی تعلیم کے مطابق ہوتی اور دونوں میں اختلاف نہ ہوتا۔ مگر اس میں تو ان تعلیموں کے خلاف تعلیم بھی ملتی ہے۔ لہذا محمّد (رسول اللہ) نے افتراء کیا ہے۔ ورنہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ان نبیوں کو کچھ کہے اور اسے کچھ کہے۔ پس اس آیت میں اسی اعتراض کا ذکر ہے اور آیت سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کی تعلیم کو بدل کر قرآن مجید

میں جو تعلیم آئی ہے اس بنا پر مخالفین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بدل کر تعلیم لانا ایک افترا ہے۔
ان کے بعد کی آیات میں ان کے اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اسے روح القدس نے نازل کیا ہے۔ گویا ساری دنیا میں ظلمت کا پھیل جانا ایک نئی شریعت کے وجود کو چاہتا تھا۔ اس میں اشارہ تھا کہ اس تعلیم کے ذریعہ دنیا کو گندگی کی آلودگی سے پاک کرنا مقصود ہے۔ ان معنوں کی تائید امام ابومسلم کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ امام ابومسلم اصفہانی اس کی تفسیر میں کہتے ہیں:۔

"تاويل الأية اذا بدلنا أية مكان أية فى الكتب المتقدمة مثل انه حوّل الكعبة من بيت المقدس الى الكعبة قال المشركون انت مفتر فى التبديل" (ملتقط جامع التاويل لمحكم التنزيل مئ مرتبہ سعید صاحب انصاری)

کہ اذا بدلنا أية مكان أية سے مراد پہلی کتب کی آیات کا بدلنا ہے مثلاً خدا تعالیٰ نے قبلہ بیت المقدس کو بدل کر کعبہ مقرر کر دیا تو مشرکوں نے کہا۔ اے نبی تو اس تبدیلی میں مفتری ہے"

پس اس آیت سے قرآن مجید کے کسی حکم کو بدل کر اس کی جگہ دوسرا حکم لانا مراد نہیں بلکہ پہلی شریعتوں اور ان کے احکام کا بدلنا مراد ہے۔ یا پھر وعید کی پیشگوئیوں کا ٹالنا مراد ہے۔ بہر حال یہ آیت یہ نہیں بتاتی کہ قرآن مجید میں دو ایسی آیتیں بھی پائی جاتی ہیں جن میں سے ایک آیت دوسری آیت کا حکم اُمتِ محمدیہ کیلئے کلیتہً اور ہمیشہ ہمیش کے لئے اُٹھا رہی ہے۔

سینکڑوں آیات منسوخ قرار دینے والوں کے عدم تدبر کا نمونہ

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ تفسیر اتقان میں بیان فرماتے ہیں۔ آیاتِ قرآنیہ کو کثرت سے منسوخ قرار دینے والوں نے کئی ایسی آیات کو بھی تخصیص کی صورت رکھتی ہیں نسخ میں شامل کر لیا ہے۔ بلکہ بعض ایسی آیتوں کو بھی منسوخ قرار دیدیا ہے جن کا نسخ سے کوئی بھی علاقہ نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ بعض علماء نے آیت مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ کو آیت زکوٰۃ سے منسوخ قرار دیدیا ہے۔ حالانکہ یہ آیت حسب تصریح صاحب اتقان متقیوں کی تعریف میں ایک خبر کی حیثیت رکھتی ہے اور خبر منسوخ قرار نہیں دی جا سکتی۔ نیز آیت زکوٰۃ کو اس کی تفسیر بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور اس سے اہل و عیال پر خرچ کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور امور مندوبہ مثلاً دوسروں کی مدد کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بعض علماء نے انفقوا مما رزقنٰکم کو آیت زکوٰۃ سے منسوخ قرار دیدیا ہے۔ حالانکہ آیت زکوٰۃ اس کی تفسیر ہے نہ کہ ناسخ۔

پھر ان لوگوں نے آیت سیف سے اس قدر آیتیں منسوخ قرار دی ہیں کہ ان کے علاوہ باقی منسوخ قرار دادہ آیات کی تعداد بہت تھوڑی رہ جاتی ہے چنانچہ بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے قول الیس اللہ باحکم الحاکمین کو بھی آیت سیف سے منسوخ قرار دیدیا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ ہمیشہ ہمیش کے لئے احکم الحاکمین ہے اور اس قسم کا کلام منسوخ نہیں ہوسکتا۔ غرض آیت سیف تو ان مشتاقین نسخ کو ایک ایسا حربہ مل گیا ہے کہ اس سے ان تمام آیات کو منسوخ قرار دیدیا گیا ہے جن میں کافروں سے درگزر اور حسن سلوک نرمی اور خوش کلامی کی تعلیم دی گئی ہے۔ مثلاً قولوا للناس حسنا (لوگوں سے گفتگو میں اچھا طریق اختیار کرو) کو بھی آیت سیف سے منسوخ قرار دیدیا ہے حالانکہ اس آیت میں اس عہد کا ذکر ہے۔ جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر اتقان جلد۲)

تعجب ہے کہ آیت سیف کے ذریعہ کافروں سے حسن سلوک، درگزر، نرمی، خوش کلامی اور عدل کے معاملہ کے متعلق جو آیات تھیں ان لوگوں نے ان سب کو منسوخ قرار دیکر اسلام کو جو ایک اعلیٰ اخلاق سکھانے والا مذہب ہے نہایت بھیانک شکل میں تبدیل کردیا ہے۔ اور یہ نہیں غور کیا کہ آیت سیف کا تعلق تو صرف ان لوگوں سے ہے جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہوں۔ ورنہ اسلام تو دشمنوں سے بھی عدل و انصاف کا معاملہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ الّا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی۔ کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات کا مجرم نہ بنادے کہ تم ان سے انصاف کا معاملہ نہ کرو تمہیں انصاف کا معاملہ ہی کرنا چاہیئے کیونکہ انصاف ہی تقوٰی کے زیادہ قریب ہے۔ پھر جن لوگوں سے اسلام نے جنگ کرنے کی اجازت دی ہے ان کے متعلق بھی صاف حکم دیا ہے کہ:-

قاتلوا فی سبیل اللہ الذین
یقاتلونکم ولا تعتدوا ان
اللہ لا یحب المعتدین (پارہ اول)
کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے
لڑائی کرو جو تم سے لڑائی کرتے ہیں اور
زیادتی نہ کرنا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زیادتی
کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

پھر عام کفار سے جو مسلمانوں سے برسرپیکار نہ ہوں اللہ تعالیٰ نیک سلوک کی یوں تلقین فرماتا ہے:-

لا ینھاکم اللہ عن الذین لم
یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم
من دیارکم ان تبروھم و
تقسطوا الیھم (سورہ ممتحنہ)

کہ خدا تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے نیک سلوک کرنے اور انصاف کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے لڑائی نہیں کی یا تمہیں گھروں سے نہیں نکالا۔ پس قرآن مجید میں ایسے احکام کی موجودگی میں ہر کافر سے حسن سلوک اور عفو و درگذر پر مشتمل آیات کے حکم کو

ہمیشہ ہمیش کے لئے منسوخ قرار دینا نادان دوستی کا ثبوت ہے اور قرآن مجید پر ایک ظلم عظیم ہے۔ گو ایسے علماء اور مفسرین نے ناسخ منسوخ آیات کی تعداد پانسو تک پہنچا دی ہے مگر امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کے نزدیک قرآن مجید میں صرف بیس آیات منسوخ قرار دی جا سکتی ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ان میں سے بھی پندرہ آیات کو حل کر دیا ہے اور فرمایا ہے۔ میرے نزدیک صرف پانچ آیتیں منسوخ ہیں۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے علم و فضل کا پایہ بہت بلند ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ مزید کوشش اور توجہ فرماتے تو یقیناً ان پانچ آیتوں کا حل بھی تلاش کر لیتے۔ مگر نسخ کے رسمی عقیدہ کی وجہ سے ان پانچ آیتوں کے متعلق حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے بعض پہلے علماء کی رائے پر ہی اعتماد کر لیا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے ان پانچ آیتوں کا حل بھی پیش کر دیتا ہوں جنہیں دراصل صرف اپنے قیاس اور اجتہاد کے رُو سے منسوخ قرار دیا گیا ہے۔ اس حل کو سمجھ لینے کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آجائے گی کہ قرآن مجید میں کوئی منسوخ آیت نہیں پائی جاتی۔ حل بھی حضرت شاہ علیہ الرحمۃ کے طریق کے مطابق پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی آیت

حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

"کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت إن ترك خيران الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف حقاً على المتقين (البقرہ رکوع ۲۲) منسوخة قيل بآيات المواريث وقيل بحديث لا وصيّة لوارث وقيل بالاجماع حكاه ابن العربي قلت بل هي منسوخة بآية يُوصيكم الله في اولادكم وحديث لا وصيّة لوارث مبيّن للنسخ"

ترجمہ :- کہ سورۃ البقرہ کی آیت اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا ن الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقاً علی المتقین ابن عربی کے بیان کے مطابق بعض کہتے ہیں ورثہ والی آیات سے منسوخ ہے۔ بعض کے نزدیک حدیث لا وصیّۃ لوارث سے۔ اور بعض کے نزدیک از روئے اجماع منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم کے ذریعہ منسوخ ہے اور حدیث لا وصیّۃ لوارث اس نسخ کو بیان کرنے والی ہے" (یعنی حدیث قرآن مجید کی ناسخ نہیں صرف مفسّر ہے۔ ناقل)

منسوخ قرار دی گئی آیت کا مضمون یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اگر اس نے مال چھوڑا ہو تو تم پر والدین اور قریبیوں کے لئے وصیت لکھی گئی ہے۔ یہ وصیت متقیوں پر لازم ہے۔

ورثہ والی آیت یُوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (الآیۃ) کو بدیں وجہ اس آیت کا ناسخ قرار دیا جاتا ہے کہ اس میں والدین اور اقرباء کے لئے ورثہ میں حصہ کی مقدار خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دی ہے۔ لہٰذا اب وصیت کی ضرورت چونکہ باقی نہیں رہی اس لئے والدین اور اقرباء کے حق میں وصیت والی آیت کا حکم ہمیشہ کے لئے اُٹھ چکا ہے۔ اور ورثہ والی آیت نے اس طرح وصیت والی آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اِن دونوں آیتوں میں نسخ اسلئے قرار دیا گیا ہے کہ گویا ورثہ اور وصیت والی آیتوں میں قطعی تعارض اور اختلاف ہے حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو اِن دونوں آیتوں میں ہرگز کوئی ایسا اختلاف موجود نہیں کہ دونوں میں تطبیق نہ دی جا سکے۔ ہمارے نزدیک ان میں تطبیق کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

وجہ اوّل علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں اِس آیت کے متعلق نسخ کا قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

"وفیہ نظر لان اٰیۃ المواریث لا تعارضہ بل تؤکدہٗ من حیث انھا تدل علیٰ تقدیم الوصیّۃ مطلقًا والحدیث من الاحاد وتلقی الامّۃ بالقبول لا یلحقہ بالمتواتر ولعلّہٗ احترز عنہ من ضر الوصیّۃ بما اوصی بہ اللّٰہ من توریث الوالدین والاقربین بقولہ یوصیکم اللّٰہ۔"

(تفسیر بیضاوی جزء اوّل ص۲۱۵ مصری)

کہ ان دونوں آیتوں میں ورثہ والی آیت یا لاوصیۃ لوارث کی حدیث سے نسخ قرار دینا قابلِ اعتراض ہے۔ کیونکہ ورثہ والی آیت وصیت والی آیت سے کوئی تعارض و اختلاف نہیں رکھتی بلکہ یہ تو وصیت والی آیت کی مؤکّد (تاکید کرنے والی) ہے۔ کیونکہ خود ورثہ والی آیت میں ورثہ تقسیم ہوتے وقت وصیت کا نافذ کرنا علی الاطلاق مقدم قرار دیا گیا ہے (چنانچہ ورثہ والی آیت میں من بعد وصیّۃ توصون بھا کے الفاظ آتے ہیں) پھر علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔ حدیث لا وصیّۃ لوارث کو ناسخ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ حدیث متواتر نہیں بلکہ احاد روایات میں سے ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اُمت نے اِس حدیث کو اچھی طرح قبول کیا ہے تو اس سے بھی یہ متواتر کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ (لہٰذا اِس مرتبہ کی حدیث قرآن مجید کی ناسخ نہیں قرار

دی جا سکتی)۔

پھر علامہ بیضاوی اِن دونوں آیتوں میں تطبیق کی اور وجہ بھی بعض اور لوگوں کی تفسیر کی بنا پر لکھتے ہیں۔ کہ شاید جس شخص نے وصیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کی وہی وصیت مراد ہے جو اس نے والدین اور اقرباء کے ورثہ کے متعلق یوصیکم اللہ کے الفاظ میں خود کی ہے۔ نسخ کے قول سے احتراز کرنے کی خاطر ہی کی ہے۔

تفصیل اس توجیہہ کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (الآیۃ) کہ خدا تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارہ میں یہ وصیت کرتا ہے کہ ترکہ میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے۔ اس کے بعد اس آیت میں ماں باپ اور دیگر اقارب کے حصے بیان کئے گئے ہیں۔ اب وہ آیت وصیت جسے اس آیت سے منسوخ قرار دیا جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم پر ایک وصیت مال چھوڑنے پر والدین اور اقرباء کے بارہ میں لکھی گئی ہے۔ علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ نسخ سے احتراز کرنے والا یہ کہتا ہے کہ اس آیت میں وہی وصیت مراد ہے جو خدا تعالیٰ نے ورثہ والی آیت میں خود فرمائی ہے۔ لہذا دونو آیتوں میں قطعاً کوئی تعارض موجود نہیں بلکہ دونو ایک ہی مضمون پر مشتمل ہیں اور دونو خدا تعالیٰ کی وصیتیں ہیں۔

اگر اس توجیہہ کو درست قرار دیا جائے یا علامہ بیضاویؒ کی اپنی توجیہہ کو بھی درست قرار دیا جائے کہ ورثہ والی آیت وصیت والی آیت کی مؤکد ہے تو دونو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ چونکہ نسخ قطعی تعارض پایا جانے پر قرار دیا جا سکتا ہے۔ لہذا جب دونوں آیتوں میں ایسا تعارض نہ رہا تو نسخ کی بنیاد ہی گر گئی۔ اور ان آیتوں میں نسخ کا دعویٰ غلط قرار پایا۔

ہاں یہ یاد رہے کہ پہلی توجیہہ کی صورت میں اگر کوئی یہ خیال کرے کہ جب وصیت خدا تعالیٰ کی ہے اور اس وصیت سے مراد بھی خدا تعالیٰ کی ورثہ کی تقسیم بیان کرنے والی وصیت ہی ہے تو پھر اس توجیہہ کی صورت میں آیت کے اگلے حصہ فمن خاف من موص جنفًا او اثماً فاصلح بینہم فلا اثم علیہ کا کیا مطلب ہے۔ اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وصیت انسان کی ہی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی وصیت میں تو کجی نہیں ہو سکتی کہ اس کی اصلاح کی ضرورت ہو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ورثہ والی آیات میں خدا تعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے کہ ورثہ کی تقسیم وصیت ادا کرنے کے بعد ہو۔ لہذا اس جگہ فمن خاف من موص (الآیۃ) میں بھی وہی انسانی وصیت ہی مراد ہے جو انسان خود کسی غیر وارث کے بارہ میں کر جاتا ہے۔ اور انسانی وصیت میں چونکہ کجی کا احتمال ہو سکتا ہے اسلئے فرمایا کہ اگر کسی موصی کی وصیت میں کوئی کجی یا گناہ کی بات پاؤ یعنی یہ دیکھو کہ موصی کسی کا حق مار کر وصیت کر رہا ہے یا کسی گناہ والے کام میں

مال کے خرچ کیا جانے کے متعلق وصیت کردیا ہے تو اس وصیت کی اصلاح کردینی چاہیئے۔ اب اگر یہ وصیت والی آیت منسوخ قرار دی جائے تو پھر تو وصیت سرے سے ناجائز ہوجاتی ہے۔ حالانکہ اس وصیت کو خود ورثہ والی آیت تسلیم کر رہی ہے۔ پس فمن خاف من موصٍ جنفاً او اثماً سے وصیت کا ایک عام مضمون بیان کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں خدا تعالیٰ کی اس وصیت کا حوالہ دیا گیا ہے جسے ورثہ والی آیات میں خدا تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے یعنی اس تقسیم ورثہ کو خود اپنی وصیت قرار دیا ہے۔ اور فمن خاف والے حصہ میں ورثہ والی آیت میں توصون بہا او دین والی وصیت عام کا ذکر کیا گیا ہے۔ غرض جس طرح ورثہ والی آیت میں دو قسم کی وصیتوں کا ذکر ہے ایک اللہ تعالیٰ کی وصیت کا اور دوسری انسان کی وصیت کا، اسی طرح اس آیت میں وہی دو قسم کی وصیتیں مذکور ہیں۔

دوسری توجیہہ ان دونوں آیتوں میں تطبیق کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ للوالدین والاقربین کا لام اس جگہ استغراق کا نہیں ہے بلکہ عہد کا ہے اسلئے وارث والدین اور اقربا اس کے حکم سے بموجب آیت توریث خارج ہیں۔ بے شک ورثہ والی آیت میں جن ورثاء کے حصے تو خود خدا تعالیٰ نے بیان کر دیئے ہیں ان کے حق میں کوئی شخص بموجب حدیث لاوصیة لوارث وصیت نہیں کرسکتا۔ مگر جو والدین اور اقرباء ایسے ہوں جنہیں اختلاف دین یا دوسرے مانع ارث اسباب ورثہ پانے سے روکتے ہوں مثلاً ان اقرباء کیلئے ورثہ کا حصہ ورثہ والی آیت میں بیان نہ کیا گیا ہو تو یہ وصیت والی آیت ان کے حق میں مرنے والے کو وصیت کرنے کی ہدایت دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے کافر والدین کے متعلق فرمایا ہے۔ صاحبهما فی الدنیا معروفاً (لقمان رکوع ۲) کہ دنیا کے معاملات میں ان دونوں سے اچھا سلوک کرنا چاہیئے۔ اور یہ وصیت کافر والدین کے ساتھ ایک دنیوی اچھا سلوک ہی ہے۔

اس توجیہہ کے لحاظ سے کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا ن الوصیة للوالدین والاقربین (الآیۃ) میں وصیت کا لفظ مصدر قرار پائے گا بمعنی "توصیة" یعنی وصیت کرنا اور آیت کے معنے یہ ہوں گے۔ کہ تم پر والدین اور اقرباء کے لئے وصیت کرنا لکھا گیا ہے۔ ان کے حق میں اس وصیت کو واجب قرار دینے میں بھی کوئی امر مانع نہیں۔ اور نہ اس سے نسخ لازم آتا ہے۔

پہلی توجیہہ کے لحاظ سے وصیّة کا لفظ اسم مصدر ہوگا یعنی بمعنی وصیت۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ خود خدا تعالیٰ نے تم پر والدین اور اقربین کیلئے ایک وصیت لکھ دی ہے جسے ورثہ والی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ اسے خدا تعالیٰ نے خود "وصیة من اللہ" قرار دیا ہے۔ اور اس کے متعلق "یوصیکم اللہ" کے الفاظ بھی استعمال فرماتے ہیں۔ اس توجیہہ سے بھی یہ وصیت واجب قرار پاتی ہے۔

تیسری توجیہہ دونوں آیتوں میں تطبیق کی یہ

ہوسکتی ہے کہ اس آیت میں للوالدین والاقربین "کالام" افادہ کے لئے ہے اور اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ تم پر وصیت کرنا والدین اور اقرباء کے فائدہ کی خاطر ضروری قرار دیا گیا ہے۔ گویا یہ آیت بتاتی ہے کہ متوفی کو قبل از وفات والدین اور اقرباء کی موجودگی میں وصیت کر دینی چاہیئے کہ میرے مال میں سے فلاں فلاں کو جو غیر وارث ہے اتنا مال میری وصیت کی رُو سے دیا جائے۔ نیز یہ وصیت بھی کر سکتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کا اتنا قرضہ دینا ہے وہ ادا کیا جائے۔ یا اس سے اتنی رقم لینی ہے وہ وصول کی جائے۔ اس وصیت کا فائدہ والدین اور اقرباء کے حق میں یوں ہوگا کہ بعد میں کوئی تنازع پیدا نہ ہوسکے گا اور کسی غیر وارث کے متعلق وصیت میں جعل سازی نہیں ہو سکے گی۔ کیونکہ ورثاء کو تسلی رہے گی کہ وصیت کا حق طلب کرنے والا جھوٹا مدعی نہیں۔ پھر قرضہ کے لینے دینے کا سوال بھی اس وصیت سے حل ہو جائے گا۔

چوتھی توجیہہ - امام ابومسلم اصفہانی علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی ان دونوں آیتوں میں کوئی حقیقی تعارض موجود نہیں۔ ان کے نزدیک وصیت والی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ متوفی کے والدین یا اقرباء کے لئے یہ وصیت بطور عطیہ ہوگی۔

مگر یہ توجیہہ حدیث لا وصیۃ لوارث کے ضرور خلاف ہے جو گو احاد روایات میں سے ہے مگر اُمت نے اسے قبول کیا ہے۔ مگر ہماری دوسری توجیہات کے لحاظ سے نہ قرآن مجید کی ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض پایا جاتا ہے نہ ان سے اس حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے اور نہ ہی تعامل اُمت کو رد کرنا پڑتا ہے۔ غیر وارث والدین اور اقرباء کے حق میں کوئی عالم دین وصیت کا حکم ناجائز قرار نہیں دے سکتا۔ پس جب اس آیت کے حکم کے رُو سے ایسے والدین اور اقرباء کے متعلق وصیت کا حق قائم رہا جن کو از روئے شریعت ورثہ نہیں مل سکتا۔ بلکہ اس سے قانونِ توریث کی تطبیق میں وسعت دی گئی ہے تو اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ درست نہ رہا۔ کیونکہ نسخ اصطلاحی کلیۃً اور ہمیشہ ہمیش کے لئے کسی حکم کے اس طرح اُٹھ جانے کا نام ہے کہ اس پر عمل جائز نہ ہو مگر یہ حکم وصیت ایسے والدین اور اقرباء کے حق میں جنہیں ورثہ نہیں پہنچتا قائم ہے۔

پانچویں توجیہہ یہ ہے کہ اس آیت کو منسوخ نہ ماننے سے اس کا ایک اور فائدہ بھی اُمتِ محمدیہ کو پہنچ سکتا ہے جو یہ ہے کہ جو مسلمان کسی غیر اسلامی حکومت کی رعایا ہوں جہاں اسلامی قانون رائج نہیں اور قرآنی شریعت کے مطابق وہاں ورثہ تقسیم نہیں ہو سکتا۔ تو وہاں مرنے والا ورثہ والی آیت کی وصیت کے مطابق جو خدا تعالیٰ کی وصیت ہے اپنے والدین اور اقارب کے لئے یہ وصیت کر کے کہ میرے والدین اور اقارب کو شرع محمدی کے مطابق میرے ترکہ سے حصہ دیا جائے شریعتِ محمدیہ کے حکم کو نافذ کرا سکتا ہے۔

پس جب یہ آیت ایسے حالات میں بھی مفید ہوسکتی

ہے تو اُمت کے لئے اس کے حکم کا ہمیشہ کے لئے لکھا جانا قرار دینا درست نہیں۔ لہذا ان دونوں آیتوں میں نسخ اصطلاحی نہیں پایا گیا۔ اس توجیہ کے لحاظ سے اِس وصیت کو واجب بھی قرار دیا جائے تب بھی نسخ اصطلاحی کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

چھٹی توجیہ اس آیت کی یہ ہو سکتی ہے۔ کہ اس آیت کے یہ معنی لئے جائیں کہ تم پر عام وصیت کرنا اس صورت میں لکھا گیا ہے کہ جب تم والدین اور اقرباء کے لئے بہت سا مال چھوڑ جاؤ۔ اس صورت میں للوالدین والاقربین کا تعلق ان ترک خیرا سے ہوگا اور "خیر" کے معنے مال کثیر ہوں گے۔ چنانچہ مفردات میں لکھا ہے کہ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ مال کو خیر نہیں کہا جاتا جب تک وہ کثیر نہ ہو اور طیب نہ ہو۔ گویا یہ آیت بتاتی ہے کہ اگر تھوڑا مال ہو تو کسی غیر وارث کے لئے وصیت ضروری نہیں لیکن اگر کوئی شخص مرتے وقت اپنے والدین اور ان اقرباء کے لئے جن کا حصہ شریعت میں مقرر ہے مال کثیر چھوڑ رہا ہو تو پھر وہ کسی دوسرے غیر وارث رشتہ دار یا کسی دوست کے متعلق یا کسی بھلائی کے کام میں ایک حصہ مال دیا جانے کے لئے وصیت کر جائے، یہ ایک اخلاقی فرض ہوگا جو وہ ادا کرے گا۔ مگر حدیث نبوی کے مطابق اس قسم کی وصیت ایک تہائی مال سے زیادہ کی نہیں کی جا سکتی۔ اور اس قسم کی وصیت لا وصیۃ لوارث والی حدیث کے بھی خلاف نہیں۔ کیونکہ یہ وصیت غیر وارث کے لئے ہوگی اور مال کثیر چھوڑنے کی صورت میں ہوگی۔ اس لئے اس سے کسی وارث کا حق بھی تلف نہیں ہوگا۔ صحابہؓ سے بھی خیر کے معنی مال کثیر مروی ہے۔ چنانچہ علامہ جصاص علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

(۱) روی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مولی لہ اراد ان یوصی ولہ سبع مائۃ درھم فمنعہ وقال قال اللہ تعالیٰ ان ترک خیراً والخیر ھو المال الکثیر۔

(۲) وعن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رجلاً اراد ان یوصی فسألتہ کم مالک فقال ثلاث آلاف فقالت کم عیالک قال اربعۃ قالت انما قال اللہ تعالیٰ ان ترک خیراً و ان ھذا شیء یسیر فاترکہ لعیالک۔

ترجمہ (۱) یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انکے ایک آزاد کردہ غلام نے وصیت کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے پاس سات سو درہم تھے تو حضرت علیؓ نے اُسے روک دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان ترک خیراً اور خیر کے معنی مال کثیر ہیں۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

مروی ہے کہ ایک آدمی نے وصیت کا ارادہ کیا تو آپ نے اس سے پوچھا تمہارا کتنا مال ہے تو اس نے کہا تین ہزار۔ آپ نے کہا تمہارا کنبہ کتنا ہے۔ اس نے کہا چار کس۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان ترك خیرا (الآیہ) اور یہ مال تو تھوڑا ہے اس کو اپنے کنبہ کے لئے رہنے دو۔"

غرض اس توجیہہ کے لحاظ سے بھی یہ آیت وراثت والی آیت سے کوئی اختلاف نہیں رکھتی۔ لہٰذا ان دونوں آیتوں میں اصطلاحی نسخ پایا جانے کا دعویٰ درست نہیں۔

تفسیر ابن جریر میں بھی لکھا ہے کہ ایک گروہ نے اس جگہ قائلین نسخ کی مخالفت کی ہے۔ پس اس جگہ نسخ کی بابت اجماع بھی نہ رہا۔

دوسری آیت

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیة لازواجهم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسهن بالمعروف واللہ عزیز حکیم (سورۃ البقرہ ع ۳۱)

اس آیت کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:۔

"منسوخة بآیة اربعة اشهر وعشرا والوصیة منسوخة بالمیراث والسکنیٰ باقیة عند قوم منسوخة عند اخرین بحدیث لاسکنیٰ. قلت هی کما قال منسوخة عند جمهور المفسرین ویمکن ان یقال یستحب او یجوز للمیت الوصیة ولا یجب علی المرأة ان تسکن فی وصیته وعلیه ابن عباس وهذا التوجیه ظاهر من الآیة۔"

ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت جسے منسوخ قرار دیا جاتا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں ان کی بیویوں کے لئے ایک سال کے لئے متاع دیا جانے کی وصیت ہے گھر سے نکالنے کے بغیر۔ اگر وہ آپ نکل جائیں تو تم پر ان کے اپنے لئے کسی بھلے کام کے کرنے پر کوئی گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔"

اس آیت میں بیوہ کو ایک سال تک خرچ دیا جانے اور خاوند کے گھر سے نہ نکالا جانے کی وصیت ہے۔ ہاں اگر بیوہ بھلے کام یعنی اپنے نکاح کی خاطر نکلنا چاہے تو اس کے آپ خود نکلنے سے میت کے وارثوں کے

ذاتہ کوئی گناہ نہیں۔

شاہ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ اس آیت کو ایک دوسری آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا سے منسوخ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے لئے چار ماہ اور دس دن کا انتظار کریں۔ اس کے بعد نکاح کر سکتی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں متاع یا جانیوالے حصۂ وصیت کو ورثہ والی آیت سے منسوخ قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن سال بھر اپنے گھر میں رہنے کا حکم بعض لوگوں کے نزدیک باقی ہے (منسوخ نہیں) اور بعض لوگوں کے نزدیک یہ بھی حدیث لا سکنیٰ سے منسوخ ہے۔ منسوخ قرار دینے والوں کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ یہ آیت جمہور مفسرین کے نزدیک منسوخ ہے۔ مگر ساتھ اس کے منسوخ نہ ہونے کا امکان بھی تسلیم کرتے ہوئے آپ حضرت ابن عباسؓ کا مذہب اسکے عدم نسخ کے بارہ میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ اس جگہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مرنے والے کے لئے وصیت کرنا مستحب پایا جاتا ہے اور عورت پر اس کی وصیت کے مطابق اس کے گھر میں رہنا واجب نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ مذہب بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ آیت سے ظاہر ہے۔

اب میں کہتا ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس توجیہ کو جو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے نزدیک آیت کا ظاہری مفہوم بھی ہے درست قرار دینے کی صورت میں ان دو آیتوں میں نسخ ماننا نہیں پڑتا لیکن اس توجیہ کے امکان کا اقرار کے باوجود حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ یہ وصیت والی آیت منسوخ ہے۔ وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا میلان اس طرف ہے کہ یہ وصیت مستحب نہیں تھی بلکہ واجب تھی اور اس کا وجوب [illegible] چار ماہ دس دن والی عدت نے منسوخ کر دیا تو وجوب کا حکم ہمیشہ کے لئے منسوخ ہو گیا۔

حضرت ابن عباسؓ کے قول سے ظاہر ہے کہ یہ وصیت مستحب ہے یعنی بطور احسان کے ہے۔ وصیۃً لازواجھم میں وصیۃ کا لفظ جو مفعول مطلق ہو رہا ہے اس کا فعل و فاعل چونکہ آیت میں مذکور نہیں اسلئے اس آیت کی تقدیر کلام فلیوصوا وصیۃ بھی ہو سکتا ہے۔ تم لوگ اپنی ازواج کے لئے وصیت کرو یعنی مرنے والا اپنی بیوی کے لئے ایک سال کے متاع اور گھر سے نہ نکالا جانے کی وصیت کر جائے۔ اور اس کی تقدیر کلام یہ بھی ہو سکتی ہے کہ [illegible] وصیۃ۔ یعنی خدا تعالیٰ فرماتا ہے [illegible] ان کی بیویوں کے لئے ہم یہ وصیت کرتے ہیں کہ انہیں ایک سال کا متاع دیا جائے اور انہیں گھر سے نہ نکالا جائے دوسری تقدیر کلام اس وصیت کو واجب قرار دیتی ہے

کیونکہ خدا تعالیٰ کی وصیت تو بہرحال واجب سمجھی جائیگی لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جیسے عالم دین اور اہل زبان کا اس جگہ وصیت کو مستحب قرار دینا بتاتا ہے کہ وہ اس جگہ تقدیر کلام کی پہلی صورت فلیوصوا وصیۃ کے قائل تھے۔ اور اس تقدیر کلام کی صورت میں فلیوصوا امر کا صیغہ اس جگہ وجوب کیلئے نہیں، بلکہ استحباب یا جواز بتانے کے لئے ہے جیسے اذا حللتم فاصطادوا (الآیۃ) میں احرام کھولنے کے بعد شکار کرنے کا حکم جواز کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ لفظ وصیۃ بھی ان کے نزدیک زبان عربی میں استحباب یا جواز کیلئے استعمال ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کا اس وصیت کے وجوب کی طرف میلان غالباً اس بناء پر ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان خرجن فلا جناح علیکم۔ کہ اگر وہ عورتیں سال کے اندر گھر سے نکل جائیں تو پھر تم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ اس لئے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ گھر سے اگر وہ خود نہ نکلے بلکہ اُسے نکالا جائے تو یہ نکالنے والوں کا گناہ ہوگا۔ اور گناہ چونکہ واجب کے ترک کرنے پر ہی ہو سکتا ہے اسلئے اس وصیت پر عمل وارثوں پر واجب قرار پاتا ہے گو عورت پر اس وصیت کے مطابق عمل کرنا واجب نہیں۔ کیونکہ اسے سال کے دوران میں بھی گھر سے چلے جانیکا اختیار دیا گیا ہے۔ اگر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اس بناء پر اس وصیت کو واجب قرار دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فلا جناح کے الفاظ قرآن مجید میں عموماً ایسے موقع پر بھی استعمال ہوتے ہیں جبکہ کسی امر کے متعلق اس کے گناہ ہونے کا صرف خیال کیا جاتا ہو یا خیال کیا جا سکتا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما۔ کہ صفا اور مروہ دونوں پہاڑیاں اللہ تعالیٰ کے نشانوں میں سے ہیں پس جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس پر ان دونو کے طواف کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ صفا اور مروہ کے طواف کو کوئی شخص بعض وجوہ کی بناء پر گناہ کہہ سکتا تھا اسلئے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے طواف کرتے میں کوئی گناہ نہیں۔ پس جبکہ ایک امر غلطی سے بھی گناہ خیال کیا جاتا ہو یا گناہ خیال کیا جا سکتا ہو تو ایسے الفاظ لائے جا سکتے ہیں تو کیوں اس آیت کے الفاظ فان خرجن فلا جناح علیکم سے وصیت کے وجوب پر استدلال کیا جائے۔

اصل بات یہ ہے۔ آیت زیر بحث میں فان خرجن فلا جناح علیکم میں جناح (گناہ) کا لفظ اسلئے لایا گیا ہے کہ عرب میں جاہلیت کے زمانہ میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال سمجھی جاتی تھی۔ اور اس دوران میں وہ گھر سے نکل کر نکاح نہیں کر سکتی تھی چونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی بیوہ عورت کو ایک سال متاع دیا جانے کی وصیت کی تلقین فرمایا تھا اور دوسری آیت میں

خدا تعالیٰ نے ایسی عورت کی عدت چار ماہ دس دن قرار دیدی تھی اسلئے فرمایا۔ کہ اگر وہ عورت خود گھر سے نکل جائے (یعنی عدت چار ماہ دس دن پوری کرکے) اور اپنے لئے کوئی بھلائی کا کام کرے یعنی نکاح کرے تو تم جو میت کے وارث ہو اس کو نہ روکنے کی صورت میں گناہ گار نہیں ہو جاتے۔ گویا اس جگہ گھر سے نکالنے کی صورت میں وارثوں پر جو اثر شرعاً پڑ سکتا تھا اُسے بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ جو اثر اس کے آپ نکلنے کی صورت میں جاہلیت کی رسم کے اثر کے ماتحت غلط فہمی سے وارثوں پر پڑنا خیال کیا جا سکتا تھا اس کی تردید فلا جناح علیکم کے الفاظ سے کی گئی ہے۔ وصیت کو نحیاً کی صورت قرار دینے پر گھر سے نکال دینے پر وارث صرف احسان پر مشتمل ثواب والے کام سے ضرور محروم رہیں گے اور ان کا یہ فعل اخلاقی لحاظ سے اچھا نہ ہوگا۔ بلکہ اسلام کے اعلیٰ معیار سے گرا ہوا ہوگا۔ لیکن وہ گناہ گار بہرحال نہیں ہوں گے۔

وصیت والی آیت کے سیاق پر غور کرنے سے ظاہر ہے کہ چار ماہ دس دن والی عدت کے مضمون پر مشتمل آیت ضرور اس سے پہلے نازل ہو چکی ہوئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے۔ فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف۔ اگر سال کے اندر وہ آپ گھر سے نکل جائیں اور اپنے لئے کوئی معروف کام کر لیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اس معروف کام سے مراد جائز تزئین اور خوشبو لگانا یا نکاح کرنا ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ چار ماہ دس دن عدت بیان کرنیوالی آیت میں بھی ایسے ہی الفاظ لائے گئے ہیں چنانچہ وہاں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن بالمعروف۔ یہ بیوہ عورتیں جب یہ عدت پوری کرلیں تو پھر ان پر اپنے لئے کوئی معروف کام یعنی شرعاً جائز تزئین اور خوشبو لگانے یا نکاح کرنے کی صورت میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ وصیت والی آیت فان خرجن کے الفاظ سے ضروری عدت چار ماہ دس دن پوری کرنے پر ہی اُنہیں نکلنے کا اور معروف کام کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ یعنی نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل عدت کسی اور آیت میں اس سے پہلے بیان کردی گئی ہو۔ ورنہ عدت گزرنے سے پہلے نکاح کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں مل سکتی تھی۔ اگر ایک سال بھی عدت ہوتی تو پھر انہیں اس سے پہلے نکلنے کی اجازت نہ دی جاتی۔ پھر تو اس آیت کے رو سے گھر سے نکلنے کی اجازت سے پہلے دن ہی عورت فائدہ اٹھا سکتی تھی اور کسی عدت کے گزارے بغیر نکاح کر سکتی تھی۔ جس کی اللہ تعالیٰ کبھی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ پس ایک سال کا عرصہ عدت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ چار ماہ دس دن والی عدت پر مشتمل آیت ضرور اس وصیت والی آیت سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ تبھی خدا تعالیٰ نے وصیت والی آیت میں بیوہ عورت کو سال کے اندر گھر سے نکل جانے کا اختیار دیگر معروف کام یعنی خوشبو لگانے اور نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ سال کے اندر گھر سے وہ چار ماہ دس دن کی عدت گذار کر ہی نکلنے کا اختیار

لکھی تھی۔

صحیح بخاری میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن زبیرؓ کا قول اس جگہ نسخ کے متعلق بھی بیان کیا ہے۔ مگر اسی جگہ حضرت مجاہد تابعی علیہ الرحمۃ ۔۔۔ کا قول بھی درج کر دیا ہے جو اِس آیت کے منسوخ نہ ہونے پر دالّ ہے۔ اور اس قول سے بھی صاف ظاہر ہے کہ مجاہد علیہ الرحمۃ کے نزدیک چار ماہ دس دن کی عدت والی آیت پہلے نازل ہوئی تھی اور ایک سال کا متاع دینے والی اور گھر سے نہ نکلنے کی وصیت والی آیت بعد میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ بات سب قائلین نسخ کو مسلّم ہے کہ ناسخ آیت پچھلی ہونی چاہیئے نہ کہ پہلی۔ اب اگر اِن دو آیتوں میں نسخ ہوتا تو چار ماہ دس دن والی عدت والی آیت منسوخ ہونی چاہیئے تھی۔ کیونکہ وہ پہلے نازل ہوئی تھی نہ کہ متاعاً الی الحول غیر اخراج والی آیت جو بعد میں نازل ہوئی۔

مَیں اِس جگہ صحیح بخاری سے مجاہد علیہ الرحمۃ کا قول بھی درج کر دیتا ہوں وھو ھٰذا:۔

حدثنا اسحٰق حدثنا روح حدثنا شبل عن ابی نجیح عن مجاھد والّذین یتوفّون منکم قال کانت ھٰذہ العدۃ تعتد عند اھل زوجھا واجب فانزل اللہ والّذین یتوفّون منکم و یذرون ازواجًا وصیّۃً لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراجٍ فان خرجن فلا جناح علیکم فالعدۃ کما ھی واجب علیھا زعم ذٰلک عن مجاھد۔" (صحیح بخاری جلد ۳ مطبع مصری باب اذا طلّقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھنّ ان ینکحن ازواجھنّ)

ترجمہ:۔ حدیث کو بیان کیا ہمارے پاس اسحٰق نے۔ حدیث کو بیان کیا ہمارے پاس روح نے۔ حدیث کو بیان کیا ہمارے پاس شبل نے ابونجیح سے۔ اس نے مجاہد سے ۔ کہ والّذین یتوفّون منکم کے متعلق مجاہد نے کہا۔ یہ وہ عدت واجب (چار ماہ دس دن) ہے۔ جو عورت اپنے خاوند کے گھر والوں میں گذارتی تھی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے والّذین یتوفّون منکم و یذرون ازواجًا وصیّۃ لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراجٍ فان خرجن فلا جناح علیکم الآیۃ۔ نازل فرمائی۔ تو یہ عدت جیسا کہ پہلے واجب تھی اس عورت پر واجب ہی رہی۔ یہ راستے مجاہد سے مروی ہے۔"

اِس قول سے ظاہر ہے کہ مجاہد علیہ الرحمۃ کے نزدیک چار ماہ دس دن والی عدت بیان کرنے والی آیت پہلے نازل ہوئی تھی۔ اور متاعًا الی الحول والی آیت گو بعد میں نازل ہوئی ہے۔ مگر واجب عدت اس آیت کے

نازل ہونے پر بھی چار ماہ دس دن ہی رہی ہے۔ گویا یہ دونوں آیتیں آپس میں ان کے نزدیک ناسخ منسوخ نہیں۔ علاوہ ازیں نسخ کے ثبوت کے لئے دونو آیتوں کے موضوع کا ایک ہونا ضروری ہوتا ہے مگر متاعاً الی الحول والی آیت اور چار ماہ دس دن والی واجب عدت بیان کرنے والی آیت کا موضوع الگ الگ ہے متاعاً الی الحول والی آیت عدت واجب کو بیان نہیں کرتی بلکہ صرف متاع کا امر بیان کرتی ہے یعنی یہ بتاتی ہے کہ بیوہ عورت کا متاع لینے کا حق اس وصیت کے لحاظ سے کس مدت تک ہے اور میت کے وارثوں کی اس بارہ میں کیا اخلاقی ذمہ داری ہے۔ اور چار ماہ دس دن والی عدت یہ بتاتی ہے کہ اس عورت پر کتنی عدت گذارنا واجب ہے۔ جس کے بعد وہ چاہے تو خاوند کے گھر سے نکل کر نکاح کر سکتی ہے پس دونو آیتوں میں نسخ ثابت نہ ہوا۔ دونو آیتوں کا موضوع الگ ہے اسلئے ان کا حکم بھی الگ الگ ہے۔ اور دونو میں کوئی اختلاف موجود نہیں کہ ضرورت نسخ پیش آئے۔

علامہ خضری مصری نے اپنی کتاب اصول الفقہ میں امام ابو مسلم اصفہانی کے طریق پر یہی بیان کیا ہے کہ ان دونو آیتوں کا موضوع الگ الگ ہے۔ پہلی آیت صرف ان عورتوں کا حق جن کے خاوند وفات پا جائیں یہ بیان کرتی ہے کہ ایک سال تک خاوندوں کے گھر میں خاوندوں کے اہل سے متاع لے سکتی ہیں اور ان کے گھر میں رہ سکتی ہیں۔ اور دوسری آیت کا موضوع یہ ہے کہ ایسی عورتوں پر جن کے خاوند وفات پا جائیں چار ماہ دس دن کی عدت گذارنا واجب ہے اور وہ اس اثناء میں نکاح نہیں کر سکتیں۔ جب دونو آیتوں کا موضوع الگ الگ ہوا تو دونو آیتوں میں کوئی تعارض اور اختلاف نہ پایا گیا کہ ایک کو دوسری کا ناسخ قرار دیا جائے۔ دونوں کا موضوع ایک ہونے پر حکم الگ الگ ہو تو پھر نسخ کی ضرورت پیش آسکتی ہے اور یہ صورت یہاں موجود نہیں۔

پھر ابو مسلم اصفہانی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ایسی عورت حاملہ ہو تو وضع حمل کا زمانہ اور بعد کی تکلیف کا کچھ زمانہ ملا کر ایک سال کی مدت بن جاتی ہے۔ اور اس صورت میں اسے بہر حال ایک سال کے قریب متاع تو دینا پڑے گا اور خاوند کے گھر میں رکھنا پڑے گا۔ لہٰذا اس صورت میں یہ آیت متاعاً الی الحول غیر اخراج ایسی عورت کے حق میں وصیت قرار پائے گی۔ اس صورت میں چار ماہ دس دن والی عدت کی آیت نے سال کی عدت کو نہیں اٹھایا لہٰذا نسخ ثابت نہ ہوا۔

آپ حیران ہوں گے کہ ان دو آیتوں میں کیسے نسخ مانا گیا ہے حالانکہ ان دونو آیتوں میں سے عدت والی آیت کو جسے وصیت والی آیت کی ناسخ قرار دیا جاتا ہے قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں بھی پہلے رکھا گیا ہے اور وصیت والی آیت ترتیب میں اس کے بعد رکھی گئی ہے اور مجاہد علیہ الرحمۃ کے قول کے مطابق چار ماہ دس دن کی عدت والی آیت حسب روایت صحیح بخاری نازل بھی پہلے ہوئی تھی نہ کہ بعد میں۔ پس پہلی آیت کو پچھلی آیت کا ناسخ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ سو واضح ہو کہ جن لوگوں نے عدت والی آیت کو ناسخ اور وصیت والی آیت کو منسوخ قرار دیا ہے

انہیں یہ رائے بھی اختیار کرنا پڑی ہے کہ چار ماہ دس دن عدت بیان کرنے والی آیت نزول میں وصیت والی آیت سے متأخر تھی اور وصیت والی آیت اس سے نزول میں مقدم تھی۔ گو قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں چار ماہ دس دن عدت والی آیت کو پہلے رکھ دیا گیا ہے اور وصیت والی آیت کو بعد میں۔

گو نسخ کے قائلین نے اس جگہ یہ رائے اختیار کی ہے مگر اوپر کی بحث سے آپ کو اتنا تو معلوم ہو گیا ہے کہ ان دو آیتوں میں نسخ ماننے میں بلکہ ان آیتوں کے نزول کی ترتیب کے متعلق بھی صریح اختلاف موجود ہے۔ مجاہد علیہ الرحمۃ جس آیت کو نزول میں مقدم قرار دیتے ہیں۔ نسخ کے قائلین اسے نزول میں متأخر سمجھتے ہیں۔ پس جب ان دونو آیتوں کے بارہ میں مفسرین میں ایسا صریح اختلاف موجود ہے تو صاف ظاہر ہوا کہ ان آیتوں میں نسخ کا عقیدہ صرف رائے اور خیال ہی ہے۔ ورنہ قائلین نسخ کے پاس اس جگہ کوئی قوی دلیل اس بات کی موجود نہیں کہ چار ماہ دس دن عدت بیان کرنے والی آیت واقعی پیچھے نازل ہوئی ہے۔

ایک ضروری سوال

اس جگہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم نسخ کے قائلین سے پوچھیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ان دونو آیتوں کو قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں ترتیب نزول کے مطابق جمع کردہ نہ سمجھا جائے۔ مانا کہ تمام آیات قرآنیہ ترتیب نزول کے مطابق جمع نہیں کی گئیں لیکن جس ترتیب سے قرآن مجید ہمارے سامنے پیش ہو رہا ہے اس میں ناسخ منسوخ کے مسئلہ کو مان کر ایسی دو آیتوں کو تو طبعی ترتیب پر رکھا جانا ایک ضروری اور احسن امر تھا۔ پھر کیوں بلا وجہ اس جگہ غیر طبعی ترتیب اختیار کی گئی۔ طبعی ترتیب چاہتی ہے کہ منسوخ آیت پہلے درج کی جاتی اور ناسخ بعد میں۔ لہذا کیوں نہ ہم مجاہد علیہ الرحمۃ کے قول کو ترجیح دیں کہ دونو آیتیں ترتیب نزولی کے مطابق ہی آگے پیچھے رکھی گئی ہیں۔ ان دونو آیتوں میں نسخ ماننے کی خاطر ان میں طبعی ترتیب کے پایا جانے کا انکار کرنا اس امر کے مترادف ہوگا کہ قرآن مجید ایک غیر مرتب، غیر مربوط اور بے جوڑ کلام ہے۔

اب وصیت والی آیت کے متعلق صرف ایک امر حل طلب باقی رہ جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ وصیت والی آیت میں جو متاع بیان کیا گیا ہے وہ ورثہ والی آیت سے منسوخ ہو گیا ہے۔ مگر یہ خیال بھی درست نہیں۔ کیونکہ اس آیت میں بیوہ عورت کے لئے متاع کی وصیت میں احسان کا پہلو بیان کیا گیا ہے جو ورثہ کے حق سے بیوہ عورت کے اضطرار کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے ایک ایسا زائد حق دلاتا ہے جس سے اگر وہ فائدہ اٹھانا چاہے تو اٹھا سکتی ہے اور یہ زائد حق چونکہ اس کا خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور احسان قائم کیا گیا ہے اسلئے ورثہ والی آیت اس حق کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ اور حدیث لا وصیۃ لوارث اوّل تو احاد روایت ہے وہ قرآن مجید کی ناسخ نہیں ہو سکتی بلکہ قرآن مجید کی یہ آیت حدیث کے عموم کی مخصص ہوگی۔

ماسوا اس کے اس حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے طور پر وارث کے لئے وصیت نہیں کر سکتا۔ یہ تو نہیں کہ خدا تعالےٰ بھی کسی وارث کے لئے بطور احسان وصیت کرنے یا وصیت کی اجازت دینے کا حق نہیں رکھتا۔ بیوہ عورت کا یہ حق تو تعامل سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ اُمتِ محمدیہ کے با اخلاق شریف آدمی ہمیشہ بیوہ کے اس حق کو پہچانتے ہیں۔ بلکہ اگر ایسی عورت سال سے زیادہ عرصہ بھی میت کے وارثوں سے فائدہ اٹھانا چاہے تو انہیں اس میں بھی کوئی انکار نہیں ہوتا۔ بلکہ عموماً ایسی ہمدردی کو وہ بہت بڑے ثواب کا موجب سمجھتے ہیں۔

اصطلاحی نسخ کی تعریف میں تو علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر اتقان جلد ۲ کے صفحہ ۲۵ پر یہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"انّ النّسخ الازالة للحکم
حتّٰی لا یجوز امتثالهٗ۔
کہ حکم اس طرح اٹھ جائے کہ پھر اس پر
عمل کرنا جائز نہ ہو"

اب کیا میت کے ورثاء اگر بیوہ عورت کو ورثہ دینے کے علاوہ اس کی اس آیت کے مطابق سال بھر مدد بھی کریں تو کیا ان کا یہ فعل ناجائز ہوگا اور ثواب کا کام نہیں ہوگا؟ اگر تو وصیت والی آیت منسوخ ہے تو پھر ان کی اس ہمدردی اور احسان کو ان کا ایک ناجائز فعل قرار دینا پڑے گا۔ لیکن اگر یہ فعل شرعاً ناجائز نہیں تو نسخ کا دعوٰی ان دونوں آیتوں میں درست نہیں رہتا۔ وھذا ھو المرام۔

ماسوا اس کے ان دونوں آیتوں میں نسخ کے قائلین علماء یہ تو سوچیں کہ اگر بیوہ عورت بالفرض حاملہ ہو تو اُسے ورثہ کے علاوہ وضع حمل تک بلکہ اس کے بعد کی تکلیف کے ایام میں بھی متاع دیا جائیگا یا نہیں؟ اگر دیا جائے گا تو پھر اس وصیتِ الٰہیہ کی تعمیل تو پائی گئی۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ اس وصیت کو خدا تعالےٰ کی وصیت قرار دیا جائے جب تعمیل پائی گئی تو یہ حکم کلیۃً نہ اٹھا۔ لہٰذا ان دونوں آیتوں میں اصطلاحی نسخ پایا جانے کا دعوٰی باطل ہوا۔

تیسری آیت

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ ۝ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

(سورۃ انفال رکوع ۹)

کہ اے نبی مومنوں کو جنگ کے لئے ابھار

(یہ کہہ کر) کہ اگر تم میں بیس صابر ہونگے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سَو صابر ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے۔ اسلئے کہ وہ (کافر) ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے ابھی اللہ تعالیٰ نے تم سے تخفیف کی ہے (آسانی کا معاملہ کیا ہے) اور اس نے جانا ہے کہ یقیناً ابھی تم میں کمزوری ہے سو اگر تم میں ایک سَو صابر ہوں گے تو وہ دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار (صابر) ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

اس آیت کے متعلق حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں :-

"ان یکن منکم عشرون صابرون الآیۃ منسوخۃ بالآیۃ بعدھا قلت کما قال منسوخۃ"

یعنی ان یکن منکم عشرون صابرون الآیۃ بعد والی آیت سے ابن عربیؒ کے قول کے مطابق میرے نزدیک بھی منسوخ ہے"

اس کے متعلق عرض ہے کہ یہ دو نو آیتیں گو جنگ کے لئے تحریص کی خاطر نازل ہوئی ہیں مگر ان میں مسلمانوں کے غلبہ پانے کی خبر بھی ہے جس کا دو زمانوں یا حالتوں سے تعلق ہے۔ گویا یہ دو نو آیتیں وعدہ کے رنگ میں ہیں مگر ان سے یہ حکم بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قوت و شوکت کے زمانہ یا حالت میں بیس صابر مومنوں کو بھی دوسو سے مقابلہ کرنے میں گھبرانا نہیں چاہیئے (بلکہ ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے) اور اسی نسبت سے ایک سَو صابروں کو ہزار کافروں کے مقابلہ میں گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ جم کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ بیس صابر دوسو کافروں پر اور ایک سَو صابر ہزار کافروں پر ان کافروں کی بے تدبیری کی وجہ سے غالب آئیں گے۔

گویا آیت کے پہلے حصہ کا تعلق اس زمانہ سے ہے جبکہ مسلمانوں کو پُر شوکت حکومت حاصل ہو جانے والی تھی اور ان کو ہر قسم کا ساز و سامان جنگ کیلئے مل جانے والا تھا۔ اور لڑائی کے لئے اچھی ٹریننگ ہو جانے والی تھی۔ ایسے زمانہ کے متعلق یہ حکم ہے کہ بیس مومنوں کیلئے دوسو کافروں کا مقابلہ واجب ہے۔ کیونکہ اس وقت ایک مسلمان دس کافروں پر بھاری ہوگا۔ لیکن اس کے بعد کے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابھی تمہاری ظاہری حالت میرے علم کے مطابق بلحاظ اسلحہ، ساز و سامان اور تیاری کمزور ہے اسلئے ابھی تم اس معیارِ مقابلہ پر پورے نہیں اُتر سکتے جو شوکت کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اس کمزوری کے زمانہ میں بھی تمہارے لئے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ تم میں سے سَو صابر دوسو کافروں کے مقابلہ میں اور ہزار صابر دو ہزار کافروں کے مقابلہ میں (گویا اپنے سے دوگنے کافروں کے مقابلہ میں) غالب

آئیں گے۔

اس تفسیر سے ظاہر ہے کہ ان دونو آیتوں میں تناقض کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ دونوں آیتیں الگ الگ زمانوں اور حالات کے متعلق دو علیحدہ وعدے ہیں۔ اور ان دو وعدوں کے ضمن میں جو دو حکم اخذ کئے جاتے ہیں ان حکموں کا تعلق بھی دو الگ الگ زمانوں اور حالتوں سے ہے۔

الآن خفف الله عنکم والا زمانہ جنگ بدر کا زمانہ ہے جبکہ مسلمانوں کا لشکر فی الواقعہ بہت کمزور تھا۔ ان کے پاس لڑنے کے لئے اسلحہ اور گھوڑے بہ اور دیگر سازوسامان بھی بالکل ناکافی تھا اور وہ لڑائی کے لئے تیار بھی نہ تھے بلکہ دشمن نے اچانک ان پر لڑائی ٹھونسی تھی۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ابھی تم کمزور ہو اسلئے اس وقت تمہاری آسانی کے پیشِ نظر یہ وعدہ ہے کہ تم صبر سے کام لوگے تو دو گنے کافروں پر ضرور غالب آؤ گے۔ اگر اس وعدہ کی ضمنی فحوا یہ حکم بھی سمجھا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ تمہیں اس وقت اپنے سے دوگنے کافروں سے مقابلہ کرنے کے لئے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ صبر سے یعنی خوب جم کر مقابلہ کرنا چاہیئے اس صورت میں غلبہ تمہیں ہی حاصل ہوگا۔ اسی وعدہ کی وجہ سے جنگ بدر میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمانے کے لئے کافروں کے مسلمانوں سے سہ گنا ہونے کے باوجود مسلمانوں کو ظاہری نظر میں کافر دوگنے ہی دکھائے۔ کیونکہ دشمن کو میدانِ جنگ میں ایسی پوزیشن لینا پڑی جس میں اس کا ایک حصہ اوٹ میں تھا اور مسلمانوں کو دکھائی نہ دیتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

یرونہم مثلیہم رأی العین

کہ مومنوں کو کافر ظاہر نظر سے اپنے سے دوگنا دکھائی دیتے تھے۔"

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بھی کافر تھوڑے دکھائے گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

واذ یریکہم اللہ فی منامک قلیلاً ولو اراکہم کثیراً لفشلتم۔

کہ جب اے نبی تجھے اللہ تعالیٰ ان کافروں کو تیری خواب میں تھوڑا دکھاتا تھا اور اگر تجھے ان کافروں کو بہت دکھاتا تو اے مسلمانو! تم بزدلی دکھاتے یعنی تمہارا حوصلہ پست ہو جاتا۔"

پس مومنوں کو کافر دوگنے اسلئے دکھائے گئے کہ الآن خفف اللہ والی آیت کے مطابق انہیں اپنی فتح کا یقین پیدا ہو اور ان کا حوصلہ پست نہ ہو جائے۔

پس یہ دونو آیتیں دو الگ الگ زمانوں اور حالتوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ پہلی آیت شوکتِ اسلامیہ کے زمانہ کے متعلق پیشگوئی ہے اور اپنے اندر ضمنی حکم کے لحاظ سے ایک خاص معیاری رنگ رکھنے کی وجہ سے بطور اعلیٰ معیار کے پہلے بیان کی گئی ہے تا مسلمانوں کا مطمح نظر ہمیشہ بلند رہے اور کامیابی کے اس اونچے معیار تک پہنچنے کی جدوجہد جاری رکھیں جو بہت بڑی

عزیمت کو چاہتا ہے لیکن چونکہ اس زمانہ میں جب یہ آیت نازل ہوئی مسلمان کمزور تھے اسلئے ان کے لئے ایک تخفیف کی صورت رکھی گئی کہ دوگنے کافروں کے مقابلہ میں ان کی فتح کا وعدہ دیا گیا اور اس طرح ان کی ہمت بڑھائی گئی لیکن بعد میں شوکت اسلامی کے زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد لشکر جب ہزاروں تھی انہوں نے لاکھوں کفار پر فتح پائی۔ چنانچہ جنگ یرموک میں ایسا ہی وقوع میں آیا۔

پس ان دو آیتوں کی یہ توجیہہ قبول کرنے سے دونو آیتوں میں ہرگز نسخ کی ضرورت پیدا نہیں ہوتی۔

علامہ خضری نے اپنی کتاب اصول الفقہ میں امام ابو مسلم اصفہانی کے طریق پر ان دونو آیتوں کا حل یہ پیش کیا ہے۔ کہ پہلی آیت میں بیس صابروں کے دوسو کافروں پر غالب آنے کا ذکر ہے اس کا حکم ایک شرط سے مشروط ہے۔ وہ شرط یہ ہے کہ اگر ایسے بیس صابر پائے جائیں جو دوسو پر غالب آسکیں تو انہیں ضرور دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:-

"ان حصل منکم عشرون موصوفون
بالصبر علی مقاومة المائتین
فلیشتغلوا بمقاومتهم وعلی
هذا التقدیر فلا نسخ"

کہ اگر ایسے بیس آدمی تم میں ہوں جو دوسو آدمیوں کے مقابلہ میں صبر دکھانے کی صفت سے موصوف ہوں تو انہیں ان سے مقابلہ میں لگ جانا چاہیئے آیت کی اس تقدیر پر کوئی نسخ کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ (اس صورت میں فلیشتغلوا جزا نئے شرط ہوگی جو محذوف ہے۔)

وہ فرماتے ہیں۔ الآن خفف اللہ عنکم کے الفاظ سے نسخ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ عربی محاورہ کے مطابق ایسے الفاظ رخصت بتانے کے لئے آتے ہیں۔ جیسے کہ خدا تعالیٰ آزاد آدمی سے لونڈی کا نکاح اس وقت جائز رکھتا ہے جبکہ وہ آزاد عورت کو مہر دینے کی استطاعت نہ رکھے اور اس رخصت والے حکم کے متعلق فرماتا ہے۔ یرید اللہ ان یخفف عنکم کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس حکم سے آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اب اس جگہ جو تخفیف کی گئی ہے اس سے کسی دوسرے حکم کا نسخ مطلوب نہیں۔ آزاد عورت سے نکاح کی استطاعت رکھنے پر وہ اس تخفیف سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اور استطاعت نہ رکھنے پر تخفیف والے حکم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہی حال ان کے نزدیک ان دونو آیتوں کے حکموں کا ہے۔ پس نسخ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کے نزدیک جنگ میں کمزوری کی حالت میں تخفیف والی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ اور قوت اور صبر کا اعلیٰ معیار حاصل ہونے پر عزیمت والے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے پس ان دونو آیتوں میں اس لحاظ سے انکے نزدیک نسخ ثابت نہیں۔ ایک حکم عزیمت والا ہے اور دوسرا رخصت والا ہے۔ اور دونوں اپنی اپنی جگہ قائم ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا مذہب

ابوجعفر نحاس مصری نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں اس آیت کے متعلق لکھا ہے:-

"عن الزبیر بن حریث عن ابن عباس قال کان فرض علی المسلمین ان یقاتل الرجل منہم العشرۃ من المشرکین قال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفاً من الذین کفروا الآیۃ فشق ذٰلک علیہم فانزل اللہ تعالیٰ التخفیف جعل علی الرجل ان یقابل اثنین فخفف عنہم ما نقصوا من الصبر بقدر ذٰلک"

کہ حضرت زبیرؓ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا تھا کہ ان میں سے ایک آدمی دس مشرکین کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ فرمایا ان یکن منکم عشرون صابرون الآیۃ۔ یہ حکم مسلمانوں پر شاق ہوا تو خدا تعالیٰ نے تخفیف نازل فرمائی۔ اور ایک آدمی کے ذمہ دو آدمیوں سے مقابلہ کا حکم لگا دیا۔ گویا جتنا صبر اُن میں کم تھا اُتنی قدر تخفیف فرما دی۔"

حضرت ابن عباسؓ کا یہ مذہب لکھنے کے بعد ابوجعفر نحاس لکھتے ہیں:-

"ھٰذا الشرحُ بیّن حسنٌ ان یکون تخفیفاً لا نسخاً. لانّ معنی النسخ رفع حکم المنسوخ ولم یرفع حکم الاول لانّہ لم یقل فیہ لا یقابل الرجل العشرۃ بل ان قدر علی ذٰلک فھو لا اختیار لہ ونظیر ھٰذا افطار الصائم فی السفر لا یقال الناسخ للصوم انّما ھو تخفیف رخصۃ والصیام افضل"

(الناسخ والمنسوخ ص۱۵۶)

کہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول آیت کی ایک واضح اور اچھی تشریح ہے کہ اس جگہ تخفیف کا حکم ہے نسخ نہیں پایا گیا۔ کیونکہ نسخ کے معنے منسوخ کے حکم کو اُٹھا دینا ہیں اور یہاں پہلا حکم اُٹھایا نہیں گیا۔ اسلئے کہ یہ نہیں کہا کہ ایک آدمی دس کا مقابلہ نہ کرے بلکہ اگر وہ ایسا کرنے پر قادر ہو تو اسے مقابلہ نہ کرنے کا اختیار نہیں۔ اس کی نظیر روزہ دار کا سفر میں روزہ نہ رکھنا ہے

یہ حکم روزہ کا ناسخ نہیں بلکہ ایک تخفیف
اور رخصت کی صورت ہے اور روزے
افضل ہیں "

بہرحال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی ان دونو آیتوں میں نسخ کے قائل نہیں اور ابو جعفر نحاس نے ان کے مذہب کو پسند کیا ہے۔

نسخ کا نقصان عظیم

ان دو آیتوں میں نسخ قرار دینے میں تو دشمنان اسلام کے لئے قرآن مجید کے منجانب اللہ ہونے کے متعلق شبہات کا دروازہ کھولنا ہے۔ کیونکہ پہلی آیت کو اس جگہ منسوخ قرار دینے کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے گویا ایک حکم دیا جس پر مسلمانوں نے ابھی عمل بھی نہیں کیا تھا اور نہ کر سکتے تھے اسلئے خود ہی ان کی کمزوری کے پیش نظر اس حکم کو ہمیشہ ہمیش کے لئے منسوخ کر دیا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ جو عالم الغیب ہے اُسے پہلے سے یہ معلوم تھا کہ یہ لوگ اس حکم پر عمل نہیں کر سکتے۔ لہذا انہیں یہ حکم نہ دیا جائے۔ بلکہ وہی حکم دیا جائے جس پر عمل کر سکتے ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفسًا الّا وسعہا۔ کہ اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کسی کو مکلف نہیں کرتا یعنی کسی کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا۔ جب اس کا حکم وسعت کے مطابق ہوتا ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس نے کمزوروں کو وہ حکم کیوں دیا جس پر وہ ایک دن بھی عمل نہ کر سکتے تھے۔ پس ایک حکم دیکر جھٹ اس کو مسلمانوں کے ضعف کی بناء پر منسوخ کر دینا اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے کیونکہ اس طرح احکام بدلنے کی توقع ناقص العقل و ناقص العلم انسان سے تو ہو سکتی ہے مگر اس طرح احکام کا بدلنا اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے۔ اگر پہلی آیت کو مسلمانوں کی درخواست پر منسوخ کیا جاتا تب بھی دشمنان اسلام کے سامنے اس نسخ کو کسی قدر معقول صورت میں پیش کیا جا سکتا تھا۔ مگر اب تو (جب کہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسی درخواست نہ تھی۔) دونو آیتوں میں اصطلاحی نسخ قرار دینا اسلام کے دشمنوں کے لئے اسلام پر ہنسی اڑانے کا دروازہ کھول دینے کا موجب ہو سکتا ہے۔ کاش قائلین نسخ ان آیتوں میں نسخ قرار دیتے ہوئے اس نقصان دہ پہلو پر بھی کما حقہٗ غور فرما لیتے۔ تا ان کو اندازہ ہو جاتا کہ اس قدم کے اٹھانے سے وہ آئندہ زمانہ کے مسلمانوں کیلئے کیا مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔

چوتھی آیت

یایّھا النبیّ انّا احللنا لک
ازواجک الّتی اٰتیت اجورھنّ
وما ملکت یمینک ممّا افاء
اللہ علیک وبنات عمّک و
بنات عمّاتک وبنات خالک
وبنات خٰلٰتک الّتی ھاجرن
معک وامرأۃ مؤمنۃ ان
وھبت نفسھا للنّبیّ ان اراد
النّبیّ ان یستنکحھا خالصۃً

لك من دون المؤمنين قد
علمنا ما فرضنا عليهم فی ازواجهم
وما ملكت ايمانهم لكی لا
يكون عليك حرج وكان الله
غفوراً رحيماً ○ ترجی من تشاء
منهن و تؤوی اليك من تشاء
ومن ابتغيت ممن عزلت
فلا جناح عليك ذلك ادنی
ان تقر اعينهن ولا يحزن
و يرضين بما آتيتهن كلهن
والله يعلم ما فی قلوبكم و
كان الله عليماً حكيماً ○ لا
يحل لك النساء من بعد
ولا ان تبدل بهن من ازواج
ولو اعجبك حسنهن الا ما
ملكت يمينك وكان الله
علی كل شئ رقيباً ○

(سورہ احزاب رکوع ۶)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ اِن دونوں آیتوں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ومن الاحزاب لا يحل لك النساء من بعد الآية منسوخة قلت يحتمل ان يكون الناسخ مقدماً فی التلاوة وهو الاظهر عندی۔"

کہ سورہ احزاب کی آیت لا یحل لک النساء اس سے پہلی آیت إنّا احللنا لک ازواجک التی سے منسوخ قرار دی گئی ہے۔ میں کہتا ہوں احتمال ہے کہ ناسخ آیت تلاوت میں مقدم ہو۔ اور یہی میرے نزدیک زیادہ ظاہر بات ہے۔"

اِن دونوں آیتوں کے متعلق عرض ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین ان آیتوں میں نسخ کے قائل نہیں بلکہ وہ لا یحل لک النساء کی آیت کو بلحاظ نزول انّا احللنا لک ازواجک التی والی آیت سے بعد کی قرار دیتے ہیں۔ گویا ان صحابہؓ کے نزدیک قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں یہ آیات درج ہیں اسی ترتیب سے نازل ہوئی ہیں۔ مگر ان آیات میں قائلین نسخ یہ کہتے ہیں کہ موجودہ ترتیب قرآنی میں پہلی آیت پچھلی کی ناسخ ہے۔ گویا یہ لا یحل لک النساء (الآیۃ) کو پہلے کی نازل شدہ قرار دیتے ہیں اور انّا احللنا لک (الآیۃ) کو بعد کی۔

ہماری تحقیق کے مطابق جیسا کہ میں آگے چل کر بتاؤں گا لا یحل لک النساء کو نزول میں پہلے کی آیت قرار دینا محض رائے اور قیاس پر مبنی ہے۔ ورنہ قائلین نسخ کے پاس اس کے نزول کے لحاظ سے پہلے کی آیت ہونے کے متعلق کوئی قطعی تاریخی ثبوت موجود نہیں۔

اِن دونوں آیتوں کا مفہوم و ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"اے نبی ہم نے تیرے لئے وہ بی بیاں
حلال ٹھہرا دی ہیں جنہیں تو نے مہر ادا
کر دیئے ہیں اور جن کا تیرا داہنا ہاتھ
مالک ہوا ہے اس سے جو اللہ تعالےٰ
نے تجھ پر لوٹایا ۔ اور تیرے چچا کی بیٹیاں
اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے
ماموں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی
بیٹیاں جنہوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی
ہے اور مومن عورت بھی اگر وہ اپنے تئیں
نبی کو ہبہ کرے اگر نبی اس سے نکاح کا
ارادہ کرے تو خالص تیرے لئے حلال ہے
نہ کہ دوسرے مومنوں کے لئے ہم نے
مومنوں پر ان کی بی بیوں کی بابت جو لازم ان کے
بارہ میں جن پر ان کے ہاتھ مالک ہوئے
ہیں جو فرض کیا گیا ہے ظاہر کر دیا ہوا ہے
تاکہ تجھ پر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ تعالےٰ
مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے ۔
تو ان بی بیوں میں سے جس کو چاہے پیچھے
رکھ اور جس کو چاہے اپنے پاس جگہ دے
اور جسے تو اُن میں سے چاہے جن سے
تو نے علیحدگی اختیار کی تو تجھ پر کوئی
گناہ نہیں ۔ یہ بہت مناسب ہے کہ ان
کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمگین نہ
ہوں اور وہ سب کی سب اس پر راضی
رہیں جو تو انہیں دے اور اللہ تعالےٰ
جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے جانتا ہے
اور وہ جاننے والا بُردبار ہے ۔ اسکے
بعد (یعنی علاوہ) تیرے لئے اور عورتیں
حلال نہیں اور نہ (یہ حلال ہے) کہ تو ان
کی جگہ بدل کر دوسری بی بیاں لے خواہ
ان کا حُسن تجھے اچھا لگے سوائے اسکے
جس کا تیرا داہنا ہاتھ مالک ہوا اور
اللہ تعالےٰ ہر چیز پر نگران ہے۔"

لا یحل لک النساء کے اس ترجمہ سے جو میں نے لکھا ہے ظاہر ہے کہ اس کو درست ماننے کی صورت میں دو تو آیتوں میں نسخ ماننے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ اللہ تعالےٰ نے پہلے کچھ عورتوں کو اپنے نبی کے لئے حلال ٹھہرا کر لا یحل لک النساء من بعد کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید فرما دی ہے کہ میرے اس بیان کردہ دائرہ سے باہر تمہیں نکاح کرنیکی اجازت نہیں اور نہ اپنی پہلی بیویوں میں سے کسی کو چھوڑ کر اس کی جگہ اور نکاح کرنے کی اجازت ہے ۔

پس آیت لا یحل لک النساء من بعد پہلی آیت کی مؤید اور مؤکد ہے کیونکہ انا احللنا لک ازواجک التی الآیۃ میں بعض اقسام کی ازواج کو آپ کے لئے حلال کیا گیا ہے اور لا یحل لک النساء من بعد سے دوسری اقسام کی عورتوں کو حرام کیا جانے کی تصریح کر دی ہے ۔ اس طرح پہلی آیت حلت کے مشروط مثبت حکم کو بیان کر رہی ہے ۔ اور لا یحل لک النساء من بعد

والی آیت حرمت کے حکم کی وضاحت کر رہی ہے کہ ان شرائط کے بغیر آپ کے لئے کوئی نکاح حلال نہیں۔

چنانچہ ان آیات کی تفسیر میں تفسیر درمنثور میں حضرت ابی ابن کعبؓ کا یہ مذہب لکھا ہے:۔

"اخرج عبد بن حمید والترمذی وحسنہ وابن حاتم والطبرانی وابن مردویہ عن ابی (بن کعب) رضی اللہ عنہما قال نهی رسول اللہ عن اصناف النساء الا ما کان من المؤمنات المهاجرات قال لا تحل لك النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبك حسنهن الا ما ملکت یمینك فاحل لك الفتیات المؤمنات وامرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبی وحرم کل ذات دین الا الاسلام وقال یا ایها النبی انا احللنا لك ازواجك الی قوله خالصة لك من دون المؤمنین وحرم ما سوی ذلك من اصناف النساء"

ترجمہ:۔ ابن حمید نے اس روایت کو نکالا اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔ ابن حاتم طبرانی ابن مردویہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر باقی قسم کی عورتیں سوائے مہاجرہ مومن عورتوں کے لا تحل لك النساء من بعد الآیۃ کے ذریعہ حرام کی گئیں اور مومنہ عورت اگر اپنا نفس نبی کو ہبہ کرے تو اس کو حلال کیا اور ہر مذہب کی عورت سوائے مسلمان کے حرام کی اور فرمایا انا احللنا لك ازواجك التی الی قوله خالصة لك من دون المؤمنین اور ان کے ماسوا قسم کی عورتوں کو حرام کر دیا۔"

(تفسیر درمنثور)

پھر تفسیر درمنثور اور تفسیر ابن کثیر میں ابی بن کعبؓ کے متعلق یہ روایت درج ہے:۔

"عن زیاد قال قلت لابی بن کعب رضی اللہ عنہ ارأیت لو توفی ازواج النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ما کان یحل له ان یتزوج قال وما یمنعه من ذلك قلت قوله لا یحل لك النساء من بعد فقال انما احل له ضربا من النساء ووصف له صفة

فقال سبحانہٗ یاایّھا النّبیّ انّا احللنا لک ازواجک الیٰ قولہ وامرأۃ مؤمنۃ الخ ثم قال تبارک وتعالیٰ لایحلّ لک النّساء من بعد ھٰذہ الصفۃ وعلیٰ ھٰذا القول قال الطیبی یکون قولہ سبحانہٗ ولا ان تبدّل الخ تاکیدًا لما قبلہ من تحریم غیرہ فامضی علیہ من الاجناس الاربعۃ فکان ضمیر بھن للاجناس المذکورۃ فی قولہ یاایّھا النّبیّ انّا احللنا لک ازواجک الآیۃ والمعنیٰ لایحلّ لک ان تترک ھٰذہ الاجناس وتتبدل عنھا الیٰ اجناس غیرھا"

(درمنثور جلد ۵)

حضرت زیادؓ کہتے ہیں میں نے ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا بتاؤ تو سہی اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج وفات پا جائیں تو کیا آپ کو اور نکاح کرنا حلال نہ ہوگا؟ اس پر ابیؓ بن کعبؓ نے کہا کونسی بات آپ کو ایسا کرنے سے روکتی ہے۔ اس پر میں نے کہا اللہ تعالیٰ کا قول لایحلّ لک النساء من بعد ایسا کرنے میں مانع ہے۔ ابیؓ ابن کعبؓ نے جواب میں کہا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک قسم کی عورتیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں۔ اور ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہا۔ انّا احللنا لک ازواجک الیٰ قولہ وامرأۃ مؤمنۃ الخ یہ کہکر پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا لا یحلّ لک النّساء من بعد ھٰذہ الصفۃ (کہ تم پر اس قسم کی عورتوں کے سوا کوئی حلال نہیں) اس پر علامہ الطیبی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول ولا ان تبدّل الخ ماقبل آیت کی تاکید ہے کہ اور عورتیں (یعنی اور قسم کی عورتیں) حرام ہیں صرف چار اجناس کی عورتیں حلال ہیں۔ اور لا ان تبدّل بھن منھن کی ضمیر کا مرجع وہ سب اجناس مذکورہ ہیں جو خدا تعالیٰ کے قول یاایّھا النّبیّ انّا احللنا لک الآیۃ میں بیان ہوئی ہیں۔ اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ آپ پر حلال نہیں کہ ان عورتوں کو چھوڑ کر ان کے علاوہ اور اجناس کی عورتوں سے نکاح کریں"

حضرت ابیّ بن کعبؓ اور علامہ الطیبی کے ان اقوال سے ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک آیت لایحلّ لک النّساء

من بعد بلحاظ نزول انّا احللنا لک والی آیت سے بعد کی ہے۔ انّا احللنا لک ازواجک الّتی والی آیت میں جن عورتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے لا یحل لک النّساء من بعد والی آیت میں ان عورتوں کے علاوہ دوسری قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے سے تاکیداً روک دیا گیا ہے۔

پس حضرت ابی ابن کعب صحابیؓ اور علامہ الطیبی کے بیان کے مطابق اِن دونوں آیتوں میں ہرگز نسخ کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اِن آیات کے بارہ میں قائلین نسخ کا قول بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"قال آخرون بل معنی الآیۃ لا یحل لک النساء من بعد ای من بعد ما ذکرنا لک من صفۃ النساء اللاتی احللنا لک من نسائک اللاتی اٰتیت اجورھن وما ملکت یمینک وبنات العم والعمات والخال والخالات والواھبۃ وماسوی ذٰلک من النساء فلا یحل لک۔"

کہ بعض دوسرے اہل علم نے کہا کہ آیت لا یحل لک النساء من بعد کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پہلے جس قسم کی عورتیں آیت انّا احللنا لک ازواجک الّتی میں بیان ہوئی ہیں جن میں لونڈیوں اور چچا کی بیٹیوں پھوپھیوں کی بیٹیوں اور ماموں اور خالاؤں کی بیٹیوں اور ہبہ کرنے والی عورت کا ذکر ہے ان سے نکاح کر سکتے ہیں اور ان کے ماسوا کوئی اور عورت آپ کے لئے حلال نہیں۔"

پھر علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:۔

"ھٰذا مروی عن ابی بن کعب ومجاھد فی روایۃ وعنہ و عکرمۃ وضحاک فی روایۃ وابی رزین فی روایۃ وعن ابی صالح و الحسن والقتادۃ فی روایۃ والسدی وغیرھم۔"

کہ یہی مذہب مروی ہے ابی بن کعبؓ کا۔ اور ایک روایت میں مجاہد کا اور ایک روایت میں عکرمہ اور ضحاک کا اور ایک روایت میں ابی رزین کا اور ایک روایت میں ابوصالح، الحسن، قتادہ اور سدی وغیرہ کا۔"

پھر ابن کثیر کہتے ہیں:۔

"روی الترمذی عن ابن عباس قال نھی رسول اللہ عن اصناف النساء الّا ما کانت من المؤمنات المھاجرات لقولہ لا یحل لک النساء من بعد" (تفسیر ابن کثیر للحافظ عماد الدین جلد ۴ صفحہ ۵)

کہ امام ترمذی نے ابن عباسؓ کے متعلق
روایت کی ہے کہ ابن عباسؓ نے کہا کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے
کچھ اقسام کی عورتوں سے سوائے مہاجرہ
مومنہ عورتوں کے نکاح کرنے سے آیت
لایحل لك النساء من بعد کے
ذریعہ منع فرمایا ہے۔"
علامہ الوسی اپنی تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۵۲ میں حضرت
ابن عباسؓ سے یہ روایت بیان کرتے ہیں:۔
"عن ابن عباس فی قولہ یا ایھا النبی
انا احللنا لك ازواجك الیٰ قولہ
خالصۃ لك من دون المؤمنین
قال فحرم اللّٰہ علیہ سوی ذٰلك
من النساء وکان قبل ذٰلك ینکح
ای النساء احب فلما انزل
اللّٰہ علیہ قد حرمت علیك
من النساء ما قصصت علیك
اعجب ذٰلك نساءہ"
کہ حضرت ابن عباسؓ نے اللہ تعالیٰ کے
قول یا ایھا النبی انا احللنا لك
ازواجك التی الیٰ قولہ خالصۃ
لك من دون المؤمنین کی
[illegible] کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ
پر ان عورتوں کے سوا اور عورتوں سے
نکاح حرام کر دیا اور اس سے پہلے آپ
جن عورتوں سے پسند کرتے نکاح کر لیتے
تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ حکم
نازل فرمایا کہ میں نے تم پر بیان کردہ
عورتوں کے سوا باقی حرام کر دی ہیں تو
آپ کی ازواج کو یہ بات بہت اچھی لگی۔"
اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک آیت
لایحل لك النساء من بعد آیت انا احللنا
لك ازواجك الخ سے بعد نازل ہوئی۔ فلا نسخ۔
علامہ ابوحیان مفسر لکھتے ہیں:۔
"لایحل لك النساء من بعد
الظاھر انھا محکمۃ وھو قول
ابی بن کعب وجماعۃ منھم
الحسن وابن سیرین واختارہ
الطبری (البحر المحیط جلد ۷ صفحہ ۲۴۲)
آیت لایحل لك النساء سے
ظاہر ہے کہ یہ محکم ہے (نہ کہ منسوخ ناقل)
اور یہی قول ابی بن کعبؓ اور ایک گروہ
کا ہے جس میں حسن اور ابن سیرین وغیرہ
شامل ہیں۔ اور ابن جریر طبری مفسر
قرآن مجید نے بھی اسی مذہب کو
ترجیح دی ہے۔"
پس جب اتنے صحابہؓ اور تابعین اور مفسرین ان
دونوں آیتوں میں نسخ کے قائل نہیں اور لایحل لك
النساء من بعد کو بلحاظ نزول مطابق قول حضرت
ابی ابن کعبؓ و حضرت ابن عباسؓ انا احللنا لك

لازواجک التی والی آیت سے بعد کی قرار دیتے ہیں تو پھر قائلینِ نسخ کا یہ دعویٰ کہ لا یحل لک النساء الآیۃ بلحاظ نزول پہلے کی ہے اسلئے یہ منسوخ ہے قابلِ قبول نہیں ہو سکتا جبکہ لا یحل لک النساء والی آیت کو بلحاظ نزول پہلے کی قرار دینے کے لئے ان کے پاس کوئی قطعی تاریخی ثبوت بھی موجود نہیں بلکہ ان کا یہ خیال صرف رائے اور قیاس پر مبنی ہے۔

قائلینِ نسخ کی غلط فہمی کی وجہ

ان دو نو آیتوں میں قائلینِ نسخ کو میرے خیال میں غلط فہمی دو روایتوں سے ہوئی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر نے بھی نسخ کے قول کے ذکر میں ان دو نو روایتوں کو پیش کیا ہے۔ ایک روایت ام المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کی یوں مروی ہے :-

"قالت ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی احل لہ النساء"

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت تک وفات نہ پائی جب تک آپ کے لئے عورتیں حلال نہ کر دی گئیں۔"

اور دوسری روایت حضرت اُمّ المومنین اُمّ سلمہ سے مروی ہے :-

"قالت لم یمت رسول اللہ حتی احل لہ ان یتزوج من النساء ما شاء الا ذات محرم وذلک قولہ ترجی من تشاء منھن الآیۃ۔"

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات نہ پائی یہاں تک کہ آپ کے لئے حلال کیا گیا کہ سوائے محرم عورتوں کے جن عورتوں سے چاہیں نکاح کر سکتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے قول ترجی من تشاء وتؤوی الیک من تشاء سے یہی مراد ہے۔"

بالکل اسی مضمون کی ایک اور روایت تفسیر درِ منثور میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت اُمّ المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی بھی بیان کی گئی ہے۔

اِن روایات کے سیاق سے ظاہر ہے کہ حضرت اُمّ المومنین عائشہ الصدیقہ وحضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کا اشارہ آیت انا احللنا لک الخ کی طرف ہے۔ جس کا ایک ٹکڑہ ترجی من تشاء منھن کے الفاظ میں مذکور بھی ہے۔

ان روایات سے قائلینِ نسخ کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ جب تک پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح عورتوں سے حرام نہ کیا گیا ہوتا اُس وقت تک حضرت ام المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا وحضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت تک وفات نہ ہوئی جب تک آپ کے لئے محرم عورتوں کے سوا جن عورتوں سے چاہیں نکاح حلال نہ کر دیا گیا۔

اس سے ان لوگوں نے یہ رائے قائم کی کہ لا یحل لک النساء من بعد والی آیت پہلے نازل ہوئی ہوگی

جس کے ذریعہ آپ کے لئے آئندہ نکاح کی حرمت کردی گئی اور پھر خدا تعالیٰ نے اس تنگی کو اٹھانے کے لئے اِس حکم کو آیت انّا احللنا لک ازواجک الّتی اٰتیت اجورھنّ .... الیٰ وامرأۃ مؤمنۃ الخ سے منسوخ کردیا۔

اِس سے ظاہر ہے کہ ان ہر دو آیتوں میں نسخ کی بنیاد محض رائے پر مبنی ہے جو ان دو رادیتوں کے منطوق کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بنا پر قائم کی گئی ہے۔

حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ لا یحلّ لک النّساء من بعد والی آیت انّا احللنا لک ازواجک الّتی سے پہلے نازل نہیں ہوئی بلکہ یہ اس آیت کے بعد میں نازل ہوئی ہے۔

اِس غلط فہمی کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس بات پر غور کرنا ضروری ہے کہ اِس آیت کا حصہ انّا احللنا لک ازواجک الّتی اٰتیت اجورھنّ کیوں نازل ہوا۔ آیت کے اِس حصہ میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جن بیویوں کو مہر دے چکے ہوئے ہیں وہ آپ پر حلال ہیں۔ اور اس کے بعد بتایا کہ فلاں قسم کی مہاجرہ اور مومنہ سے جو اپنا نفس ہبہ کرے آپ چاہیں تو نکاح کرسکتے ہیں۔ اور آیت کے سیاق میں یہ بھی بتا دیا کہ عام مومنوں کے لئے ان کی ازواج اور لونڈیوں کے بارہ میں الگ احکام دیئے گئے ہیں۔ آپ کے لئے یہ احکام مخصوص ہیں تاکہ ضرورت حقہ پر آپ کے لئے تنگی نہ ہو۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ کہ اے نبی ہم نے تمہارے لئے وہ ازواج حلال کردی ہیں جن کے مہر آپ نے ادا کردیئے ہوئے ہیں۔ کیا ان کے حلال ہونے پر کوئی شبہ ہوسکتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح میں اتنی بیویاں کیوں رکھی ہوئی ہیں۔ بات دراصل یہ ہے۔ کہ سورۃ نساء میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا۔ فانکحوا ماطاب لکم من النّساء مثنیٰ و ثلاث و ربٰع کہ مسلمان اپنی پسند کی عورتوں میں سے صرف ایک یا دو یا تین یا چار تک نکاح میں لاسکتے ہیں۔ اس وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نو ازواج مطہرات تھیں۔ وہ مسلمان جن کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں تھیں انہوں نے اِس حکم کے نازل ہونے پر زائد بیویاں چھوڑ کر چار چار اپنے نکاح میں رکھ لیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی خفی کے ماتحت اپنی ازواج میں سے کسی کو نہ چھوڑا۔ اس پر کسی کو یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ آپ نے خود اس آیت پر کیوں عمل نہ کیا تو خدا تعالیٰ نے اس شبہ کے ازالہ کے لئے اس جگہ فرما دیا کہ ہم نے تم پر وہ سب ازواج حلال ٹھہرا دی ہوئی ہیں جن کے مہر آپ ادا کرچکے ہیں۔ اور فلاں فلاں قسم کی مہاجرات سے بھی آپ نکاح کرسکتے ہیں۔ اور اگر کوئی مومنہ عورت اپنا نفس ہبہ کرے تو اس سے بھی آپ نکاح کرسکتے ہیں۔ یہ سب رخصت آپ کے لئے خاص ہے۔ اور یہ سارا حکم اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ آپ پر اپنی مذہبی اور سیاسی ضروریات کیلئے مزید نکاح کرنے میں بھی کوئی تنگی نہ رہے۔ دوسرے مسلمانوں کے لئے چونکہ ایسی ضرورت نہیں تھی اس لئے

ان کی ازواج اور لونڈیوں کے بارہ میں ہم نے الگ احکام بیان کردیئے ہیں۔

اس بات کا اشارہ کہ پہلے وحی خفی کے ذریعہ آپ کو بتادیا گیا تھا کہ آپ کی ازواج جو پہلے آپ کے نکاح میں ہیں حلال ہیں خود انا احللنا لک کے الفاظ سے ملتا ہے کیونکہ احللنا ماضی کا صیغہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے مضارع کا صیغہ نحل استعمال نہیں فرمایا کہ ہم حلال کرتے ہیں بلکہ احللنا ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا جس کے یہ معنی بھی ہیں کہ ہم پہلے حلال ٹھہرا چکے ہیں۔

میرے اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت ام المومنین عائشۃ الصدیقہ اور حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایات کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے خدا تعالیٰ نے انا احللنا لک ازواجک التی والی آیت اور اس میں ترجی من تشاء و تؤوی الیک من تشاء کا قول نازل فرماکر آپ کے لئے اپنی سابقہ ازواج جن کے مہر دے چکے تھے حلال ٹھہرا دی ہیں۔ اور محرم عورتوں کے سوا دوسری مسلمان عورتوں میں سے جس سے چاہیں مزید نکاح کی اجازت دیدی۔ غرض ان روایات سے یہ ہے کہ اس آیت میں خدا تعالےٰ نے اس شبہ کا ازالہ فرما دیا ہے کہ مسلمانوں کو صرف چار تک نکاح کی اجازت دی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس حکم پر کیوں عمل نہیں فرمایا اور کیوں چار سے زیادہ ازواج اپنے نکاح میں رکھیں پس ان روایات میں لایحل لک النساء من بعد کے نسخ کی طرف قطعاً کوئی اشارہ موجود نہیں۔ اور ان سے محض غلط فہمی سے لایحل لک النساء من بعد کو پہلے کی آیت سمجھا گیا ہے اور انا احللنا لک کو بعد کی۔ فتدبر

زیر بحث آیتوں کا نسخ اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے

اس میں کچھ شک نہیں کہ آیت لایحل لک النساء من بعد کو اگر نزول کے لحاظ سے انا احللنا لک ازواجک والی آیت سے پہلے کی قرار دیا جائے تو اسے قطعی طور پر منسوخ ماننا پڑتا ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ اس آیت کو منسوخ قرار دینے والوں کو صرف حضرت ام المومنین عائشۃ الصدیقہ و حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایتوں سے ایک غلط فہمی پیدا ہوئی ہے جس کی بناء پر یہ رائے قائم کر لی گئی ہے کہ لایحل لک النساء من بعد پہلے کی آیت ہے، ورنہ اگر خود لایحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج کے نفس مضمون پر پورا غور کیا جاتا تو خود ہی آیت کا مضمون ہی اس بات پر روشنی ڈال رہا ہے کہ یہ آیت منسوخ قرار نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ اس کا منسوخ قرار دیا جانا اللہ تعالیٰ کی رحیمانہ کریمانہ اور شفیقانہ شان کے خلاف ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب ازواج مطہرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دُنیا کا کچھ

سامانِ آسائش طلب کیا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کر لی اور خدا تعالےٰ کا یہ حکم نازل ہوا کہ :-

قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ
تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا
فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ
سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِن كُنتُنَّ
تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ
الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ
مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

(سورۃ احزاب رکوع ۴)

اے نبی! اپنی ازواج کو کہدو کہ اگر تم
دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی
ہو تو آؤ میں تمہیں دنیا کا سامان دیکر
اچھی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم
اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت
کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ تعالےٰ نے
تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے
اجر عظیم تیار کر رکھا ہے "

جب ازواج مطہرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا تو سب ازواج مطہرات نے دنیا اور اس کے سامان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کی اس نیکی اور قربانی کی بنا پر ان کی قدر دانی کرتے ہوئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا :-

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ
وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ

مگر یہ آیت میری تحقیق کے مطابق إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ کے معاً بعد نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ اب آپ کو ان اقسام کی عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح کا حق نہیں اور آپ موجودہ ازواج میں سے کسی کو تبدیل کر کے بھی اس کی جگہ کوئی دوسری عورت نکاح میں نہیں لا سکتے۔ گویا خدا تعالیٰ نے جب ازواج مطہرات کی قربانی اور ایثار کو دیکھا تو ان کے اس ایثار کی قدردانی فرماتے ہوئے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی لگا دی کہ اب آپ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرنیوالی ان ازواج میں سے کسی کو طلاق نہیں دے سکتے اور اس کے بدلے میں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کر سکتے۔

جب لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ کی آیت اللہ تعالےٰ نے ازواج مطہرات کی قدردانی فرماتے ہوئے نازل فرمائی تو پھر کس طرح یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالےٰ ازواج مطہرات سے کسی قصور کے سرزد ہوئے بغیر اس رحیمانہ کریمانہ اور شفیقانہ حکم کو منسوخ فرما کر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ پابندی اٹھا دے جو لَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ کے الفاظ سے آپ پر لگائی گئی تھی۔ مگر اس جگہ نسخ کے قائلین

یہی کہتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کی قدردانی میں یہ آیت نازل فرمائی پھر انا احللنا والی آیت نازل فرما کر اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پابندی کو اٹھا دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ پابندی لگاتے ہوئے خدا تعالیٰ کو علم نہ تھا کہ میرے رسول کو اس سے تنگی ہو گی۔ اگر علم تھا تو پھر اس آیت کو نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ پہلے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی قربانی اور ایثار کی قدردانی کرتے ہوئے ان کی عزت افزائی کی خاطر خود ہی اپنے رسول پر ایک پابندی لگائے کہ اب آپ انہیں طلاق نہیں دے سکتے۔ مگر پھر خود ہی یہ پابندی ازواج مطہرات کے کسی قصور کے بغیر صرف اس بنا پر اٹھا دے کہ میرے رسول کو اس سے تنگی ہو گی۔ کاش ان دونو آیتوں میں قائلین نسخ اس پہلو پر بھی غور فرما لیتے کہ اس آیت کو منسوخ قرار دینے میں خدا تعالیٰ کی شان پر کیا دھبہ لگتا ہے۔ اور دشمنان اسلام کے لئے اس آیت کے منسوخ قرار دینے پر کیا تضحیک کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ پس حق بات یہی ہے کہ آیت لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن الایۃ انا احللنا لک ازواجک التی اتیت اجورھن کا حصہ ہے۔ جو پہلے نازل نہیں ہوا بلکہ انا احللنا لک ازواجک التی الآیۃ کے معاً بعد نازل ہوا ہے۔ یہی حضرت ابی بن کعبؓ اور کئی تابعین اور مفسرین کا مذہب ہے اور انہی کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت کے لائق ہے۔ ان کی تفسیر کی رو سے نہ ان دونو آیتوں میں سے کسی کو منسوخ ماننا پڑتا ہے اور نہ خدا تعالیٰ کی بلند شان پر دشمنان اسلام کے لئے اعتراضات کا دروازہ کھلتا ہے۔

اب آخر میں میں صرف ترجی من تشاء منھن و تؤوی الیک من تشاء کی تفسیر پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس آیت کے یہ معنے بھی لئے جاتے ہیں کہ تو اپنے بیویوں میں سے جس کو چاہے طلاق دے سکتا ہے اور جس کو چاہے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اس کے متعلق واضح ہو۔ اگر لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج الآیۃ کو حضرت ابی بن کعبؓ وغیرہ کے قول کے مطابق بعد کی قرار دیا جائے تو پھر ترجی من تشاء کے یہ معنی کہ جسے تو چاہے طلاق دیدے ہرگز درست قرار نہیں پا سکتے۔ لیکن اگر اس آیت کو لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن کا ناسخ قرار دیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اعتراض کا دروازہ کھلتا ہے کہ اس ایثار اور قربانی سے کام لینے والی ازواج مطہرات کی خدا تعالیٰ کی طرف سے اس قدردانی کے بعد کہ اب انہیں طلاق نہ دی جائے پھر اللہ تعالیٰ نے بلا وجہ کیوں اس حکم کو اٹھا لیا اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو انہیں طلاق دینے کی رخصت دیدی لیکن امر واقعہ یہی ہے کہ آیت ترجی من تشاء منھن کے بعد لا یحل لک النساء من بعد

ولا ان تبدل بهن من ازواج نازل ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے ترجی من تشاء منھن و تؤوی الیک من تشاء کے ازواج مطہرات کے لحاظ سے یہ معنی ہوں گے کہ باری مقرر کرنے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ جسکو چاہیں باری میں پیچھے کر سکتے ہیں۔ جس کو چاہیں اپنے پاس بلا سکتے ہیں۔ اور جن عورتوں سے آپ کو اس آیت میں نکاح کی رخصت دی گئی ان کے لحاظ سے ترجی من تشاء منھن و تؤوی الیک من تشاء کی یہ تفسیر ہوگی کہ آپ کو اختیار ہے اُن عورتوں میں سے جس سے چاہیں نکاح نہ کریں اور جس کو چاہیں نکاح کر کے اپنے ہاں جگہ دیں۔ ہاں ولا ان تبدل بھن کا حکم ان سب کے لئے ہوگا کہ اب آپ جس سے بھی نکاح کریں گے آپ کو پھر اُسے طلاق دینے کا اختیار نہ ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ازواج مطہرات کی یہ قربانی کہ انہوں نے دنیوی سامان پر لات مار کر اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دار آخرت کو اختیار کیا سب لوگوں کے سامنے تھی۔ اسلئے اب کوئی عورت مومنوں میں سے آپ سے نکاح کرنے کیلئے یا آپ کو اپنا نفس ہبہ کرنے کے لئے اس وقت تک تیار نہ ہو سکتی تھی جب تک وہ بھی دنیا کے سامان پہ لات مار کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہنے کے لئے دیگر ازواج مطہرات کی طرح دنیوی آسائشوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دار آخرت کو ترجیح نہ دے۔

پس ازواج مطہرات کے امتحان کے بعد اب ہر عورت جو آپ کے نکاح میں آنا قبول کر سکتی تھی وہ چونکہ وہی ہو سکتی ہے جو ازواج مطہرات کی طرح ایثار اور قربانی کے لئے تیار ہو اسلئے اللہ تعالیٰ نے آئندہ نکاح میں آنے والی ازواج کو بھی ولا ان تبدل بھن من ازواج کے حکم میں شریک کر دیا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ پابندی لگا دی کہ آپ اپنی بیویوں میں سے کسی کو طلاق دیکر اسکے بدلے میں دوسری کسی عورت سے نکاح نہیں کر سکتے۔ یہی تفسیر ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت ایثار اور اللہ تعالےٰ کی شان کے مناسب ہے۔ اور ان دونوں آیتوں میں نسخ ماننے کی راہ اختیار کرنا بہت خطرناک راہ ہے۔ تفسیر روح المعانی کے مفسر علامہ الوسی بھی اسی تحقیق کے مؤید ہیں۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"و ابی حاتم عن عبد اللہ بن شداد انہ قال فی قولہ تعالیٰ ولا ان تبدل الخ ذٰلک لو طلقھن لن یحل لہٗ ان یستبدل و قد کان ینکح بعد ما نزلت ھٰذہ الآیۃ ما شاء و نزلت و تحتہ تسع نسوۃ ثم تزوج بعدہ ام حبیبۃ بنت ابی سفیان و جویریۃ بنت

الحارث رضی اللہ عنھما والظاھر
علی القول بان الآیۃ نزلت
کرامۃ للمختارات وتطییباً
لخواطرھن وشکراً لحسن
صنیعتھن عدم النسخ "
(تفسیر روح المعانی جلد ۷ ص۳۵)

یعنی ابی حاتم نے عبد اللہ بن شداد سے روایت کی ہے کہ ابن شداد نے خدا تعالیٰ کے قول ولا ان تبدل الخ کے متعلق کہا کہ یہ اسلئے ہے کہ اگر آپ ان بیبیوں کو طلاق دیتے تو آپ کے لئے حلال نہ تھا کہ ان کے بدلے کسی اور سے نکاح کرتے۔ حالانکہ آپ اس آیت (لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج) کے بعد آپ نے جتنے نکاح چاہے کرتے رہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت آپؐ کی نو بیویاں تھیں۔ پھر آپؐ نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان اور جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا۔

یہ روایت درج کرکے علامہ الوسی اس پر ایک نوٹ دیتے ہیں کہ اس قول سے عدم نسخ ظاہر ہے کیونکہ یہ آیت اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دار آخرت کو اختیار کرنے والی ازواج کی بزرگی ظاہر کرنے کے لئے اور ان کے دلوں کو خوش کرنے کیلئے اور ان کے اس اچھے کام کی قدر دانی کے طور پر نازل ہوئی ہے۔

علامہ الوسی کے اس قول سے ظاہر ہے کہ جن محققین نے ہمارے بیان کردہ نقطۂ نگاہ کو مد نظر رکھا ہے وہ ان آیتوں میں نسخ کے قائل نہیں۔ وھذا ھو المعنی (ادر)

پانچویں آیت

یٰایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم
الرسول فقدموا بین یدی
نجوٰکم صدقۃ ذٰلک خیر
لکم واطھر فان لم تجدوا
فان اللہ غفور رحیم ○
ءاشفقتم ان تقدموا
بین یدی نجوٰکم صدقٰت
فاذ لم تفعلوا وتاب اللہ
علیکم فاقیموا الصلوٰۃ
واٰتوا الزکوٰۃ واطیعوا
اللہ ورسولہٗ واللہ خبیر
بما تعملون ○
(سورۃ مجادلہ رکوع ۲)

کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لینے سے پہلے صدقہ دے لیا کرو۔ یہ صدقہ دینا تمہارے لئے اور زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ پس اگر تم (صدقہ دینے کے لئے کچھ) نہ پاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا رحم کرنیوالا

ہے کیا تم لوگ اپنے مشورہ سے پہلے صدقات دینے کے معاملہ میں ڈر گئے ہو۔ جب تم ایسا نہ کر سکو اور اللہ تعالیٰ نے تم پر رجوع برحمت کیا ہے۔ تو نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ جو عمل تم کرتے ہو اس سے واقف ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں:-

"وعن المجادلة اذا ناجیتم الرسول فقدّموا الآیة منسوخة بالآیة بعدها قلت هٰذا کما قال۔"

کہ ابن عربیؒ نے سورۃ مجادلہ کی آیت اذا ناجیتم الرسول فقدّموا بین یدی نجوٰکم صدقة کو بعد والی آیت سے منسوخ قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں ایسا ہی ہے جیسا کہ ابن عربی نے کہا ہے۔"

مگر جو لوگ ان دونو آیتوں میں نسخ کے قائل نہیں وہ ان آیتوں کے متعلق بعض وجوہ پیش کرتے ہیں۔ جن سے نسخ اصطلاحی ان آیتوں میں ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو مسلم ہے کہ کسی حکم کی مدت ختم ہونے پر اگر کوئی دوسرا حکم اس کے مخالف نازل ہو تو یہ امر اصطلاحی نسخ قرار نہیں پاتا۔ میں حضرت شاہ صاحب کی فارسی عبارت اس بارہ میں پیش کر چکا ہوں۔

امام ابو مسلم اصفہانی حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے بیان کردہ اصل کے مطابق اس آیت کی تفسیر یں فرماتے ہیں کہ:-

"منافقین صدقات دینے سے رُکتے تھے۔ منافقوں میں سے ایک جماعت ظاہراً و باطناً حقیقی ایمان لے آئی۔ تو خدا تعالیٰ نے ان مومنوں اور منافقوں میں جو اپنے نفاق پر باقی تھے تمحیص کرنے اور دونوں میں تمیز دینے کے لئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لینے سے پہلے صدقہ کا حکم دیا لہذا یہ حکم شرعی ایک وقتی حکم تھا نہ کہ دائمی۔"

اسلئے جب اس کا وقت ختم ہو گیا تو یہ حکم ساقط ہو گیا۔ کسی حکم کا وقت ختم ہو جانے پر اٹھ جانا نسخ نہیں۔ اب یہ تفسیر اگر درست تسلیم کی جائے تو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے مسلک کے مطابق دوسری آیت پہلی آیت کی ناسخ قرار نہیں پا سکتی۔ زیادہ سے زیادہ اسے لغوی نسخ قرار دیا جا سکتا ہے نہ کہ اصطلاحی۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر ص۱ میں فرماتے ہیں:-

"صحابہ کرام اور تابعین کے کلام کے

استقراء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نسخ کا لفظ لغوی معنوں میں استعمال کرتے تھے نہ کہ اصولیوں کی اصطلاح میں۔

ان کے قول کے مطابق صحابہ کرام و تابعین نسخ کے معنی آیت کی بعض اوصاف کا دوسری آیت سے زائل ہونا مراد لیتے تھے۔ خواہ مراد انتہاء مدت عمل ہو یا متبادر معنی سے غیر متبادر معنی مراد لیا جانا مراد ہو یا کسی قید کا اتفاقی ہونا بیان ہو یا کسی عام حکم کی تخصیص مراد ہو یا منصوص حکم اور اس پر قیاس کردہ حکم کے درمیان امر فارق کا بیان مراد ہو یا جاہلیت کی کسی رسم کا آیت سے ازالہ مراد ہو یا شریعت سابقہ کا ازالہ مراد ہو۔ غرض نسخ ان کے نزدیک بہت وسعت رکھتا ہے۔ اور عقل کو اس میں جولانی کا موقع ملتا ہے اور اختلاف کی گنجائش ہے۔ اسی لئے منسوخ آیات کا پانچسو تک شمار پہنچا دیا ہے۔ اور اگر اچھی طرح چھان بین کرو تو نسخ کا کوئی شمار نہیں لیکن متأخرین کی اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات بہت تھوڑی ہیں خصوصاً اس توجیہہ کے مطابق جو ہم نے اختیار کی ہے۔" (تفسیر فوز الکبیر ص ۱۵-۱۶)

غرض اس قول سے ظاہر ہے کہ کسی آیت کی مدت کا ختم ہو جانا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کے نزدیک ان کے اپنے بیان کی رُو سے نسخ اصطلاحی نہیں پس امام ابو مسلم نے زیر بحث صدقہ والی آیت کی جو توجیہہ کی ہے وہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کے اس قول کے مطابق نسخ اصطلاحی کو اس آیت میں رد کر رہی ہے۔

دوسری توجیہہ علامہ خضری مصری اپنی کتاب اصول الفقہ میں ان دونوں آیتوں میں نسخ پایا جانے کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

"دوسری آیت صرف یہ بیان کرتی ہے کہ واجب مالی صدقہ (زکوٰۃ) سے زیادہ مالی صدقہ ضروری نہیں۔ بلکہ نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا ہی کافی ہے۔ اور یہ صدقہ ہی ہے پس اس طرح صدقہ کا حکم قائم رہا اور نسخ کا دعوے باطل ہو گیا۔"

گویا علامہ خضری کے اس بیان کے مطابق دوسری آیت پہلی آیت کی تفسیر و تشریح ہے اور بتا رہی ہے کہ اس غرض کے لئے خالی زکوٰۃ کا مالی صدقہ اور نماز قائم کرنا اور اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا بھی کافی صدقہ ہے۔ اس سے بڑھ کر صدقہ دینا مشورہ لینے کے لئے ضروری نہیں۔

تیسری توجیہہ یہ ہے کہ دوسری آیت میں رخصت کا حکم نازل ہوا ہے۔ چونکہ رخصت عزیمت کے

مقابلہ میں نسخ نہیں ہوتی۔ اسلئے اس توجیہہ کے لحاظ سے بھی نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ تفسیر درمنثور میں ایک روایت ہے :-

"اخرج سعید عن منصور عن مجاهد قال کان اوّل من ناجی النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصدق بدینار و کان اوّل من صنع ذٰلك علی ابن ابی طالب ثمّ نزلت الرخصة فاذ لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم۔"

کہ سعید نے منصور سے اور منصور نے مجاہد سے بیان کیا ہے کہ مجاہد نے کہا کہ پہلے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا ایک دینار صدقہ دیا۔ اور سب سے پہلے یہ کام حضرت علیؓ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کیا۔ پھر اس بارہ میں فاذ لم تفعلوا و تاب اللہ علیکم کی آیت سے رخصت کا حکم نازل ہو گیا۔"

چونکہ رخصت عزیمت کے مقابلہ میں نسخ نہیں ہوتی، اسلئے ان دونو آیتوں میں نسخ کا دعویٰ درست نہیں۔ عزیمت والے حکم پر بھی عمل جائز ہے اور رخصت والے حکم سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس طرح دونو حکم اپنی جگہ قائم ہیں۔

چوتھی توجیہہ ہمارے نزدیک یہ ہو سکتی ہے کہ تاب اللہ علیکم کی آیت نے پہلی آیت کی تفسیر و تشریح فرما دی ہے۔ کہ صدقہ والا حکم دراصل واجب نہ تھا بلکہ مندوب یعنی مستحب تھا۔ یعنی اس کے کرنے پر ثواب تھا اور نہ کرنے پر کوئی گرفت نہ تھی۔

گو اس بات کا ثبوت خود پہلی آیت میں بھی موجود تھا کہ یہ صدقہ مندوب ہے لیکن بعض لوگوں نے اسے واجب بھی گمان کیا۔ بہرحال اس صدقہ کی ہدایت پر صحابہ کرام سوچنے لگے کہ جب خدا تعالیٰ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کی قیمت صدقہ دینا مقرر فرما دی ہے تو اب ہمیں کس قدر صدقہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ کوئی مقدار تو قرآن مجید میں بیان نہیں ہوئی اور نہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوئی مقدار معیّن کی ہے۔ اب وہ اس بات سے ڈرے اگر ہم نے تھوڑا صدقہ دیا تو اس سے آپؐ کے وقت کی خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ہم بے قدری کرنے والے نہ بنیں۔ اس وجہ سے ان میں سے اکثر صدقہ دینے اور مشورہ لینے سے اس ڈر کے ماتحت رُک گئے۔ مشورہ نہ لینا یوں بھی ان کے اختیار کی بات تھی۔ مگر وہ اسلئے نہیں رُکتے تھے کہ انہیں معاذ اللہ کوئی حرص یا بخل پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ یہ امر تو صحابہ کرام کی قربانی کی روح سے بعید تھا۔ بہرحال جب وہ اس ڈر سے مشورہ لینے سے رُک گئے تو اللہ تعالیٰ نے ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقات فاذ لم تفعلوا وتاب اللہ علیکم

فاقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ واطیعوا اللّٰہ ورسولہٗ کی آیت نازل فرمائی۔ کہ کیا تم صدقہ دینے سے ڈر گئے ہو جب تم نے صدقہ نہیں دیا یا جب (یا اگر) تم صدقہ نہ دو (بصورت اِذْ بمعنی اِذَا یا اِنْ۔ دیکھو بیضاوی زیر تفسیر آیت ہذا) اور اللہ تعالیٰ تم پر پہلے رجوع برحمت ہو چکا ہوا ہے۔ یعنی اس صدقہ کو پہلے سے مندوب قرار دے چکا ہے تو تم نمازیں پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تو یہ بھی ٹھیک ہے۔ صدقہ نہ دینے پر تمہیں کوئی گرفت نہیں ہوگی تم بغیر صدقہ کے بھی مشورہ لے سکتے ہو۔

اس تفسیر و تشریح کی صورت میں قطعاً نسخ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اس بات کا بیان کرنا ضروری ہے کہ پہلی آیت سے اس صدقہ کا مندوب ہونا کس طرح ظاہر ہوتا تھا جسے بعض صحابہؓ نے اپنے اجتہاد سے واجب سمجھ لیا تھا۔

سو اس بارہ میں واضح ہو کہ اس صدقہ کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاَطْہَرُ کہ یہ صدقہ دینا تمہارے لئے بہتر اور زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ "خیر" اور "اطہر" کے لفظوں میں اسم تفضیل کا استعمال اس بات پر دلیل ہے۔ کہ پاکیزگی تو اس صدقہ کے بغیر بھی حاصل ہو سکتی تھی مگر یہ صدقہ زیادہ پاکیزگی کا موجب تھا۔ اس کا نہ دینا گناہ نہیں تھا۔ چنانچہ اس قسم کے الفاظ مندوب ہونے پر دلیل ہوتے ہیں۔

مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کہ اگر تم صدقہ نہ پاؤ تو خدا تعالےٰ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ یعنی تم پر کوئی گرفت نہیں۔ غفور رحیم کے الفاظ سے بعض کا ذہن اس طرف منتوجہ ہوا کہ یہ صدقہ واجب ہوگا تبھی تو فرمایا جو اس صدقہ کے دینے کی استطاعت نہ رکھے اس کا قصور معاف ہوگا۔ چنانچہ علامہ بیضاوی خیر لکم واطہر کی تفسیر میں اس جگہ لکھتے ہیں:۔

"ای لانفسکم من الریبۃ و حب المال وھو یشعر بالندبیۃ لکن قولہٗ تعالیٰ فان لم تجدوا فان اللّٰہ غفور رحیم ای لم یجدما حیث رخص لہٗ فی المناجات بلا تصدق ادل علی الوجوب"
(تفسیر بیضاوی سورۃ مجادلہ جلد ۲ مصری صفحہ ۱۳۳)

کہ خیر لکم واطہر سے مراد یہ ہے کہ یہ صدقہ تمہارے نفسوں کے لئے اضطراب اور حب المال سے بہتر ہے۔ اور یہ الفاظ اس کے مندوب یعنی مستحب ہونے کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن خدا تعالےٰ کا قول فان لم تجدوا فان اللّٰہ غفور رحیم کہ اگر نہ پاؤ

تو تمہیں صدقہ کے بغیر مشورہ کی رخصت
ہے کے الفاظ اس کے واجب ہونے
پر زیادہ دلالت کرتے ہیں "

گویا غفورٌ کے لفظ سے بعض لوگ اس صدقہ کے واجب ہونے پر استدلال کرتے تھے۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ رخصت کے مقام پر غفور کا لفظ لانے سے مراد بُرے نتائج سے بچانے والی ہستی ہوتی ہے۔ یا آئندہ کے لئے برائیوں اور نقائص سے حفاظت کرنے والی ہستی مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قد علمنا ما فرضنا علیهم
فی ازواجهم وما ملکت
ایمانهم لکیلا یکون علیك
حرجٌ وکان الله غفوراً رحیماً ہ

اے نبی! ہم نے تمہیں بعض اصناف
کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے
اور مومنوں کی ازواج کے لئے اور ان
کی لونڈیوں کے متعلق احکام جو ہم
نے فرض کئے بیان کر دیئے ہوئے ہیں۔
یہ اجازت تمہیں اس لئے دی ہے کہ تم
پر کوئی تنگی نہ ہو اور خدا تعالیٰ مغفرت
کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے "

اب دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نکاح کے بارہ میں تنگی دُور کرنے کے لئے اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بعض عورتوں سے نکاح کی رخصت دی ہے اور آپ پر واجب نہیں کیا کہ آپ ان عورتوں سے ضرور ہی نکاح کر لیں۔ مگر پھر آخر میں فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ غفورٌ رحیم کے الفاظ سے کسی حکم کے وجوب پر استدلال لازم نہیں بلکہ ایسے الفاظ رخصت والے حکم یا مندوب حکم کے بعد بھی لائے جا سکتے ہیں۔ تعجب ہے کہ علامہ بیضاوی نے تسلیم کرنے کے باوجود کہ خیر اور اطہر کے الفاظ سے اس صدقہ کے مندوب ہونے کا پتہ لگتا ہے پھر غفورٌ رحیم کے الفاظ سے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ انہیں چاہیئے تھا کہ غفورٌ رحیم کا اس آیت میں ایسا مفہوم لیتے جس سے اس صدقہ کے مندوب ہونے کی تائید ہوتی۔ کیونکہ جب آیت کا پہلا حصہ صدقہ کے مندوب ہونے پر دال ہے تو بعد کے الفاظ سے اس کے خلاف استدلال کرنا مناسب نہ تھا۔

بہرحال کچھ لوگ اس صدقہ والی آیت کے حکم سے خائف ہوئے۔ ان کے خائف ہونے کی وجہ جیسے میں پہلے بیان کر چکا ہوں بخل یا حرص مال نہیں بلکہ مقدار صدقہ بیان نہ کیا جانے کی وجہ سے وہ خائف تھے کہ کہیں ہم صدقہ دیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھوڑا نہ ہو اور اس سے کوئی گستاخی نہ سمجھی جائے اس لئے وہ متامل ہوئے اور صدقہ دینے سے رُک گئے۔ ممکن ہے وہ تفصیل کے انتظار میں ہوں۔ تا ان کا یہ خوف اس تفصیل کے بیان سے

دُور نہ ہو جائے۔ خدا تعالیٰ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ نیک نیتی کی بنا پر ڈر کر صدقہ سے رُک گئے ہیں تو چونکہ صدقہ کا حکم پہلے مندوب تھا اور صحابہ کی نیت بھی نیک تھی۔ اس لئے اس نے اس حکم کے مندوب ہونے کا دوسری آیت تاب اللہ علیکم سے خود واضح الفاظ میں اعلان فرما دیا کہ تم لوگ مشورہ لینے سے کیوں رُک گئے ہو۔ میں نے تو اس سے پہلے تم پر ذالک خیر لکم واطھر کہہ کر رجوع برحمت کر چکا ہوں یعنی اس صدقہ کو مندوب قرار دے چکا ہوں۔ تم پر یہ صدقہ واجب تو نہیں کہ اس کی مقدار میں تم تأمل کرو۔ یہ تو مندوب تھا لہٰذا تمہارا صرف نمازیں پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا بھی مشورہ لینے کا تمہیں حقدار بنا دیتا ہے۔ پس تم لوگ یہ اعمال بجا لاؤ تو یہ مندوب صدقہ دیئے بغیر بھی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لے سکتے ہو۔

میرے اس بیان سے ظاہر ہے کہ پہلی آیت میں ہی خدا تعالیٰ نے اس صدقہ کے مندوب ہونے کی طرف اشارہ فرما دیا تھا۔ لیکن چونکہ بعض صحابہ نے اپنے اجتہاد سے اسے واجب سمجھا تھا۔ اور اکثر صحابہ مقدار معلوم نہ ہونے کی وجہ سے صدقہ سے رُک گئے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے رخصت کو بیان کر کے اس کے مندوب ہونے کو واضح فرما دیا۔ اور اس طرح دوسری آیت نے پہلی آیت کے حکم کو منسوخ نہیں کیا بلکہ پہلے حکم کی مزید وضاحت بیان کر دی ہے تاکہ وجوب کا شبہ اُٹھ جائے۔ لہٰذا اس توجیہہ کے لحاظ سے بھی نسخ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

پانچویں توجیہہ - تفسیر درِ منثور میں ہے:-

"اخرج ابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابن عباس فی قولہ اذا ناجیتم الرسول الآیۃ قال ان المسلمین اکثروا المسائل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی شقوا علیہ فاراد اللہ تعالیٰ ان یخفف عن نبیہ فلما قال ذلک امتنع کثیر من الناس وکفوا عن المسئلۃ فانزل اللہ تعالیٰ بعد ھذا ءاشفقتم الآیۃ فوسع اللہ تعالیٰ علیھم ولم یضیق"

کہ ابن منذر نے اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے قول اذا ناجیتم الرسول الآیۃ کے بارہ میں روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت باتیں دریافت کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کو اس بات سے تنگی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے (یہ صدقہ

مقرر کر کے) آپؐ کے لئے تخفیف کی صورت پیدا کرنے کا ارادہ کیا۔ جب خدا تعالیٰ نے یہ کہا (کہ مشورہ لینے سے پہلے صدقہ دے لیا کرو) تو بہت سے لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے سے رُک گئے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے ءاشفقتم الآیۃ نازل فرمائی۔ اور مسلمانوں کو آسانی دیدی اور ان پر تنگی نہ کی۔"

اس روایت سے ظاہر ہے کہ دراصل یہ صدقہ کا ارشاد صرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آسانی پیدا کرنے کی خاطر نازل ہوا تھا۔ جب اس ارشاد کی بنا پر مسلمان اس حقیقت کو سمجھ گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سوالات کر کے تنگ نہیں کرنا چاہیئے تو اس صدقہ مقرر کرنے کی غرض پوری ہوگئی اور مسلمانوں کی حالت اعتدال پر آجانے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے انہیں صدقہ کے بارہ میں وسعت دیدی اور ان پر تنگی وارد نہ کی کہ وہ مشورہ سے پہلے ضرور صدقہ دے لیا کریں۔ پس یہ روایت بھی بتاتی ہے کہ دوسری آیت نے پہلی آیت کو منسوخ نہیں کیا۔ بلکہ رخصت دیکر مسلمانوں کے لئے وسعت پیدا کی ہے کہ اگر وہ صدقہ نہ بھی دیں تو تب بھی مشورہ لے سکتے ہیں۔ ہاں انہیں نمازوں کے قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے میں پابندی اختیار کرنی چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اس صورت میں پہلا حکم عزیمت والا بھی قائم رہے گا اور رخصت سے فائدہ اٹھانے کا بھی حق حاصل ہوگا۔ اگر کوئی پہلے حکم پر عمل کرے تو زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ اور اگر رخصت سے فائدہ اٹھائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

حضرت علیؓ کی روایت کی تشریح

تفسیر درمنثور کی ایک روایت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہاں دوسری آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں :-

"ابن مردویہ عن علی قال
ما عمل بها احد غیری حتّٰی
نسخت وما کانت الا ساعۃ
یعنی اٰیۃ النجوٰی"

کہ میرے سوا اس پر کسی نے عمل نہیں کیا۔ حتّٰی کہ یہ منسوخ ہوگئی۔ یہ آیت صرف ایک گھڑی کے لئے رہی یعنی مشورہ کے لئے صدقہ والی آیت"

اس روایت کے متعلق علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس صدقہ کے وجوب کے ہی قائل معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کی ایک

دوسری روایت میں ہے :-

"ان فی کتاب اللہ تعالیٰ الآیۃ
ما عمل بھا احد قبلی ولا
یعمل بھا احد بعدی آیۃ
النجوی"

کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایک آیت
ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل
نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس پر میرے
بعد کوئی عمل کرے گا۔ یعنی مشورہ والی
آیت پر"

اس روایت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس صدقہ کا حکم واجب سمجھتے تھے مگر ان کی مراد اس قول سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ میرے بعد کوئی شخص اس صدقہ کو واجب جان کر نہیں دیگا۔ یہ مراد نہیں کہ کوئی شخص اس قسم کا صدقہ دے ہی نہیں سکتا کیونکہ جب دوسرے صحابہ اسے رخصت قرار دیتے ہیں تو انہیں اس پر عمل کرنے میں بھی کوئی امر مانع نہیں - پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مراد یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص واجب سمجھتے ہوئے یہ صدقہ نہ دیگا۔

ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس آیت کو منسوخ قرار دینا نسخ کے لغوی معنوں کے لحاظ سے ہی ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین نسخ کا لفظ لغوی معنوں میں ہی استعمال فرماتے تھے یعنی آیت کی بعض اوصاف کا ازالہ خواہ اس کا موجب انتہائے مدت ہو یا دیگر اسباب جو انہوں نے بیان کئے ہیں جن کی تفصیل قبل ازیں گذر چکی ہے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مراد بھی اس نسخ سے اصطلاحی نسخ نہیں صرف یہ مراد ہے کہ آیت کے حکم میں وجوب کی صفت کو بدل کر رخصت دیدی گئی ہے اور اس صدقہ کو مندوب قرار دیدیا گیا ہے۔ ایک واجب سمجھے گئے حکم کو مندوب قرار دینا اصطلاحی نسخ نہیں۔ کیونکہ اس سے وہ حکم اس طرح نہیں اٹھتا کہ اس پر عمل جائز نہ ہو۔ امام جلال الدین سیوطی نے نسخ قطعی کی بھی تعریف بیان کی ہے کہ "انما المنسخ ازالۃ للحکم حتی لا یجوز امتثالہ" کہ نسخ حکم کے اس طرح اٹھ جانے کا نام ہے کہ پھر اس منسوخ حکم پر عمل کرنا جائز نہ ہو۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا صرف اپنا اجتہاد ہے کہ یہ صدقہ واجب تھا۔ ورنہ قرآن مجید کے الفاظ سے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں پہلی آیت سے ہی اس کے مندوب ہونے پر قوی استدلال ہو سکتا ہے۔ بہرحال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مراد اس نسخ سے اصطلاحی نہیں ہو سکتی بلکہ لغوی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ متبادر معنی ان کے نزدیک تو وجوب کے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ان متبادر معنوں کے خلاف یہ دوسرے معنی بیان فرما دیئے ہیں کہ یہ حکم مندوب تھا جسے پہلے واجب سمجھا گیا۔ پس آیت کے اجتہادی معنوں کا نسخ ہوا ہے نہ کہ حقیقی معنوں کا۔ اور ایسی بات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کے نزدیک محض لغوی ترجیح ہے نہ کہ حقیقی نسخ۔ لیکن اگر پہلی آیت پر بھی صدقہ کے حکم کو

مندوب قرار دیا جائے تو پھر اس جگہ لغوی نسخ قرار دینے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔ ھذا ھو المراد۔

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام
والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر
ما نفدت کلمات اللہ۔ الآیۃ

ضروری گذارش

بعض علمائے امت کو قرآن مجید میں منسوخ آیات تسلیم کرنے کے متعلق اتنا غلو رہا ہے کہ وہ قرآن مجید میں منسوخ آیات کے قائل نہ ہونے والوں کی تکفیر پر بھی کمربستہ رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کی کسی آیت کو نہ خدا تعالیٰ نے منسوخ قرار دیا ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ نیز یہ عقیدہ اجماعی بھی نہیں۔ چنانچہ بعض علماء نے پانچسو آیتیں منسوخ قرار دیں تو امام جلال الدین سیوطی نے صرف بیس آیات منسوخ قرار دی ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ نے صرف پانچ آیتیں منسوخ تسلیم کی ہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور اس کی توفیق سے ان پانچ آیات کا بھی غیر منسوخ اور محکم ہونا اقوال صحابہ و تابعین اور علماء محققین اور خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مسلّمہ اصولوں کی بناء پر بھی ثابت کر دیا ہے۔ امام جلال الدین صاحب سیوطی کی پیش کردہ آیات میں سے پندرہ آیتیں تو خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے الفوز الکبیر میں غیر منسوخ ثابت کر دی ہیں۔

اجماع کے بارہ میں صرف اتنی عرض ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین علیہم الرحمۃ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کے قول کے مطابق قرآن مجید کی آیات کو منسوخ قرار دینے میں لغوی نسخ کے قائل رہے ہیں۔ لہذا اہل اصول کی اصطلاح نسخ کے بارہ میں اجماع کی حقیقت وہ یہ بتاتے ہیں کہ:۔

"اصطلاحی نسخ کے بیان میں اصل یہ ہے کہ نزول آیات کا زمانہ معلوم ہو۔ مگر کبھی سلف صالح کے اجماع یا جمہور کے اتفاق کو علامتِ نسخ قائم کر کے اس کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے فقہاء اس بات کے مرتکب ہوئے ہیں۔ حالانکہ ممکن ہے کہ **مصداق آیت مصداق اجماع کے مخالف ہو**۔ الحاصل وہ آثار جو نسخ سے بنے ہیں بہت مشتبہ ہیں اور ان میں معاملہ کی تہ کو پہنچنا سخت دشوار ہے۔" (ترجمہ از فوز الکبیر ص ۷۶-۷۷ مترجمہ مولوی رشید احمد صاحب انصاری مرحوم)

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اصطلاحی نسخ کا ثبوت اس امر سے ہو سکتا ہے کہ آیات کے نزول کا زمانہ معلوم ہو۔ تا متقدم اور متاخر حکم کا پتہ لگ سکے۔ صرف اجماع سلف صالحین یا جمہور کے اجماع کو نسخ اصطلاحی کی علامت قرار دینا درست نہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آیت کے جن معنی کو لیکر

ان کے منسوخ ہونے پر اجماع کا دعویٰ ہو خود وہ معنی ہی آیت کا مصداق نہ ہوں بلکہ اس آیت کے دراصل کچھ اور معنی ہوں اور ان معنوں کے حکم کے متعلق نسخ کا سوال پیدا ہی نہ ہو سکتا ہو۔ پھر وہ خلاصہ کلام یہ بتاتے ہیں کہ نسخ کے بارہ میں آثار (روایات) مشتبہ ہیں۔ پس اجماع کی روایات پر اور نسخ کی روایات پر بوجہ مشتبہ ہونے کے اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ماسوا اس کے قرآن مجید کی آیات میں نسخ پایا جانے کا عقیدہ بھی اجماعی نہیں۔ جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں کہ اگر ایک صحابی، تابعی یا مفسر کسی دو آیتوں میں نسخ قرار دیتا ہے تو دوسرا اس خیال کے خلاف دونوں آیتوں کو محکم قرار دیتا ہے۔

پس قرآن مجید کی آیات میں نسخ اصطلاحی کے عقیدہ پر اجماع کا دعویٰ ہی باطل ہے۔ اجماع کے مدعی ایسا اجماع ثابت نہیں کر سکتے۔

پھر اصطلاحی نسخ کے لئے جو اصول ائمہ نے وضع کئے ہیں ان کے لحاظ سے کوئی ایک آیت بھی قرآن مجید میں منسوخ ثابت نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ آخری زمانہ میں نسخ پر صرف پانچ آیتیں حل طلب قرار دی گئی تھیں جن کا حل اس مضمون میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان پانچوں میں کوئی ایک بھی ایسی نہیں جس کے نسخ کے بارہ میں اجماع کا دعویٰ کیا جا سکے۔ کیونکہ ان سب کا حل کسی نہ کسی صحابی یا تابعی یا مفسر کے قول میں موجود ہے۔ میں نے اپنے مضمون میں ان پانچ آیتوں کے حل سے پہلے فقہاء کے کچھ مسلمہ اصول درج کر دیئے ہیں جن کو مدنظر رکھ کر آیاتِ قرآنیہ میں غور کرنا چاہیئے۔

مجھے کامل امید ہے کہ جو صاحب ان اصولوں کو مدنظر رکھ کر قرآن مجید کی آیات میں تدبر کریں گے وہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو بھی منسوخ نہیں پائیں گے اور وہ جماعت احمدیہ کے ساتھ اس عقیدہ میں متفق ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ پائیں گے۔ کہ قرآن مجید میں کوئی منسوخ آیت (منسوخ بہ نسخ اصطلاحی) موجود نہیں۔

افسوس ہے کہ قائلین نسخ نے اس بات کو مدنظر نہیں رکھا کہ قرآن مجید کے احکام گو بعض خاص خاص حالات پیش آنے پر نازل ہوتے ہیں مگر وہ ابدی صداقتوں پر مشتمل ہیں۔ البتہ ان میں سے بعض ابدی صداقتیں مختص الوقت اور مختص المقام بھی ہوتی ہیں۔ یعنی وہ خاص حالات اور خاص ماحول میں واجب العمل ہوتی ہیں۔ مثلاً جنگ کے ایام میں جو قوانین نافذ ہوتے ہیں وہ امن اور صلح کے زمانہ میں واجب العمل نہیں رہتے۔ مگر اس بات کا قرآن مجید کے کسی حکم کے منسوخ ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ سب احکام ادل بدل کر واجب العمل ہوتے ہیں۔ یعنی خاص حالات میں بعض احکام ملتوی ہو جاتے ہیں اور پھر وہی حالات پیدا ہونے پر دوبارہ واجب العمل ہو جاتے ہیں۔ اس التوا کے لئے صحابہ کرامؓ کا نسخ کا لفظ استعمال کرنا اصطلاحی معنوں میں نسخ نہیں ہوتا۔ اصطلاحی معنوں میں نسخ کی تعریف جیسا کہ امام جلال الدین صاحب سیوطی کی کتاب الاتقان سے نقل کر چکا ہوں، یہ ہے کہ حکم اس طرح اٹھا دیا جائے کہ پھر اس پر عمل کرنا جائز ہی نہ رہے۔

گویا کسی حکم کا ہمیشہ ہمیش کے لئے اُٹھ جانا اصطلاحی نسخ کہلاتا ہے۔ صحابہ کرام رضؓ کا التواء کو نسخ قرار دینا یہ نسخ کے اصطلاحی معنوں کے مقابلہ میں ایک مجازی استعمال کی حیثیت رکھتا ہے۔ صحابہ کرام رضؓ کی ایک آیت کو منسوخ قرار دینے سے ایسے موقع پر یہ مراد ہوتی ہے کہ حکم کی علت نہ پایا جانے کی وجہ سے حکم اُٹھ گیا ہے جو علت موجود ہونے پر دوبارہ واجب العمل ہوگا۔ کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے قول کے مطابق وہ نسخ کو لغوی معنوں یعنی آیت کی بعض صفات کے ازالہ کے معنوں میں لیتے تھے گویا حکم کی علت اُٹھ جانے کو بھی وہ نسخ سے تعبیر کرتے تھے۔ مثلاً یہودیوں سے عفو و درگذر کا حکم جنگ کے وقت اُٹھا دیا گیا اور فرمایا گیا کہ جب تک یہ جزیہ نہ دیں ان سے جنگ جاری رکھو۔ جب ایسے لوگ جزیہ دینا قبول کر لیں تو پھر جنگ کا حکم اُن کے متعلق اُٹھ جائے گا اور واجب العمل نہیں رہے گا۔ اور صلح اور امن کے زمانہ کے احکام یعنی عفو و درگذر پر مشتمل احکام واجب العمل ہو جائیں گے۔ ان احکام یہی حال دوسرے ذمیوں کے متعلق بھی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی زندگی بھی اس بات پر شاہد ہے کہ جب کفار کی زیادتیوں اور بدعہدی کے بعد آپؐ نے مکہ پر چڑھائی کی اور مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجرمانہ حیثیت میں پیش ہوئے تو آپؐ نے لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا وانتم الطلقاء کہہ کر ان سب کو اس طرح معاف فرما دیا کہ انہیں ان کی پچھلی بدسلوکیوں اور ظلم و تشدد پر ملامت تک نہ کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھوں کے سامنے یہ عفو و درگذر کا واقعہ گذرا تو پھر وہ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ آیت قتال نے عفو و درگذر کے احکام کو ہمیشہ ہمیش کے لئے اُٹھا دیا ہے۔ وہ کس طرح عفو و درگذر کی آیتوں کو منسوخ بہ نسخ اصطلاحی قرار دے سکتے تھے۔ پس وہ ۱۱۳ آیات قرآنیہ جو آیت قتال سے منسوخ قرار دی جاتی ہیں نسخ حقیقی سے ان کا قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اسی لئے امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے ان آیات کا منسوخ ہونا تسلیم نہیں کیا۔ اور ایسے مفسرین کے خیال کو رد کیا ہے جو ایسی آیات میں اصطلاحی نسخ کے قائل ہیں۔ آپ کے نزدیک صرف بیس آیات منسوخ ہیں جن میں پندرہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ نے حل کر دی (ملاحظہ ہو الفوز الکبیر مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب) اور باقی پانچ کا حل پچھلے صفحات میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے پیش کر چکا ہوں۔

وما توفیقی الا باللہ وهو نعم المولیٰ ونعم النصیر۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

نسخ قرآن مجید کا عقیدہ اور بہائیت

عام غیر احمدیوں کے عقیدہ حیاتِ مسیح علیہ السلام سے عیسائی پادری فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دیکھو جملہ نبیوں میں سے صرف ایک نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے پیغمبر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بجسم سمیت آسمانوں پر لے گیا۔ انکو دشمنوں کے ہاتھوں کسی قسم کا گزند نہ پہنچنے دیا اور وہی آج تک خاکی جسم کے ساتھ آسمانوں پر زندہ بیٹھے ہیں۔ زمانہ کا ان پر کوئی اثر نہیں۔ وہ جوان کے جوان آج بھی موجود ہیں اور وہی آخری زمانہ میں تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے آسمانوں سے اتریں گے۔ پادری کہتے ہیں کہ یہ انوکھی زندگی اور بے مثال حیات اور کسی نبی کو حاصل نہیں ہوئی۔ اسلئے ماننا پڑیگا کہ اوّل تو عیسیٰ علیہ السلام نبی نہیں خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔ اور اگر آپ اتنا ماننے کیلئے تیار نہیں تو عقیدہ بالا کی موجودگی میں آپ کو یہ تو ضرور ماننا پڑے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام جملہ انبیاء سے افضل اور خدا کے سب سے پیارے نبی ہیں۔ اس لحاظ سے عقیدہ حیاتِ مسیح کا باطل ہونا ظاہر ہے کیونکہ اس عقیدہ کو باطل کی حمایت میں لیڈر سے زور سے استعمال کیا جا سکتا ہے اور کیا جا رہا ہے۔

عوام غیر احمدیوں کا دوسرا عقیدہ نسخ فی القرآن المجید کا عقیدہ بھی اسی طرح خطرناک اور غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس عقیدہ سے بہائی تحریک یہ فائدہ اٹھاتی ہے۔ کہ جب مسلمان خود قرآن مجید میں منسوخ آیات کے قائل ہیں اور منسوخ آیات کی تعداد کے بارے میں ان میں اختلاف ہے۔ تب اگر ہم نے یہ کہہ دیا کہ سارا قرآن مجید منسوخ ہے اور اب نئی شریعت جاری ہو گئی ہے تو اس میں کونسا گناہ لازم آجاتا ہے۔

بہائی مبلغ عملاً بھی یہی انداز اختیار کرتے ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ میں جب فلسطین میں تبلیغ اسلام کے لئے مقیم تھا (۱۹۳۱—۱۹۳۶) تو مجھے جب پہلی دفعہ حیفا میں بہائیوں کے لیڈر جناب شوقی افندی آنجہانی سے ملنے کا موقعہ ملا۔ اور میں نے دریافت کیا کہ کیا

آپ بہائی شریعت کی کوئی ایسی تعلیم بتا سکتے ہیں جو قرآن مجید میں باسلوبِ احسن بیان نہ ہوئی ہو۔ تو پہلے تو کہنے لگے کہ ہمارے ہاں Brotherhood (اخوت و برادری) کی تعلیم ہے۔ میں نے جب قرآن مجید کی آیات پیش کیں تو کہنے لگے کہ ٹھیک ہے قرآن مجید نے یہ تعلیم دی تھی۔ مگر مسلمانوں نے اس پر عمل نہ کیا تھا۔ اس پر میں نے وضاحت کرتے ہوئے جب یہ بتایا کہ آپ کے ہاں تو بہائیوں اور بابیوں کے کئی فرقے ہو چکے ہیں اور باہم لڑائی اور کشت و خون ہو رہا ہے اور فلسطین میں خود کئی مقدمات بہائیوں کے ہوئے ہیں۔ تو آخر کار کہنے لگے۔ کہ اصل بات یہ ہے کہ مسلمان خود قرآن مجید میں منسوخ آیات کے قائل تھے اور وہ یہ اختلاف رکھتے تھے کہ کونسی آیت منسوخ ہے اور کونسی نہیں۔ اسلئے ہم نے یہ کہہ دیا کہ یہ جھگڑا ہی ختم کیا جائے۔ سارا قرآن ہی منسوخ ہے۔ اب اس کی جگہ نئی شریعت آگئی ہے۔

میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ تو کوئی دلیل نہیں۔ تاہم آپ کے سامنے تو وہ شخص ہے جو قرآن مجید میں کسی آیت کو منسوخ ماننے کا قائل نہیں۔ کہنے لگے کہ ٹھیک ہے مگر ابھی آپ لوگوں کی تعداد تھوڑی ہے۔ میں نے کہا کہ تعداد کا کم و بیش ہونا براہ راست صداقت پر کیا اثر ڈالتا ہے؟ تاہم ہماری تعداد بہائیوں سے تو یہاں ان کے مرکز میں بھی زیادہ ہے۔

اس گفتگو کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تا معلوم ہو سکے کہ بہائی لوگ اپنے باطل کو رواج دینے کے لئے غیر احمدیوں کے عقیدہ نسخ فی القرآن سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس سے بھی یہ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ سراسر نادرست ہے۔ اصلی درست عقیدہ یہی ہے کہ قرآن مجید کا کوئی حرف منسوخ نہیں۔ نہ منسوخ ہوا ہے اور نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ بلکہ رہتی دنیا تک قرآن مجید ہی دائمی شریعت کے طور پر قائم رہے گا۔

یہی وہ چٹان ہے جس بنیاد پر احمدیت کے محل کی عمارت تعمیر ہوئی ہے اور یقیناً یہ مضبوط ترین چٹان ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ؏

خاکسار۔ ابو العطاء جالندھری

۲۱ر دسمبر ۱۹۵۷ء

حضرت عرفانیؓ سلسلہ کے اوّلین صحافی کا وصال

صدر انجمن احمدیہ قادیان کی قرارداد تعزیت

[یہ خبر نہایت رنج اور دُکھ کے ساتھ شائع کی جاتی ہے کہ دسمبر کے پہلے ہفتہ میں حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ حیدرآباد (بھارت) میں انتقال فرما گئے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما کر انہیں جنت الفردوس میں بلند درجات عطا فرمائے۔ آمین (ایڈیٹر)]

قراردادِ تعزیت صدر انجمن احمدیہ قادیان

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے قدیمی اور مخلص صحابی اور سلسلہ کے سب سے پہلے صحافی اور جانثار سپاہی حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات حسرت آیات پر صدر انجمن احمدیہ قادیان دلی رنج و غم کا اظہار کرتی ہے۔ اور اس وفات کو بہت بڑا اجماعتی نقصان یقین کرتی ہے۔

حضرت عرفانی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وجود سلسلہ احمدیہ میں بہت ممتاز اور قابلِ قدر تھا۔ انہوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ سلسلہ حقہ کی گرانقدر اور بے نفس خدمت سرانجام دی ہے اور سلسلہ کی صحافت میں انکا مقام صفِ اوّل میں شمار ہوتا ہے۔ ان کے ذریعہ سے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح اور ملفوظات کی حفاظت کا عظیم الشان کام ہوا۔ اور احمدیت کی موجودہ اور آئندہ نسلیں ان کی خدماتِ جلیلہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ان کی مرہونِ منت ہیں اور ہوں گی۔

خدا تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ حضرت عرفانی صاحبؓ کی روح کو اعلیٰ علیین میں ان کے آقا کے قدموں میں جگہ دے اور ان کے عزیزوں و جماعت کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

۲۔ صدر انجمن احمدیہ حضرت عرفانی رضؓ کی وفات کے صدمہ عظیمہ پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں نیز مرحوم و مغفور کے جملہ لواحقین اور عزیزان اور تمام احباب جماعت سے اظہارِ تعزیت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کی اعلیٰ صفات کا وارث بنائے۔

۳۔ اس ریزولیشن کی نقول (۱) سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

(۲) حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ناظر حفاظت مرکز

(۳) جملہ لواحقین حضرت عرفانی مرحوم اور احمدیہ پریس کو بھجوائی جائیں ◆

ناظر اعلیٰ قادیان

جلسہ سالانہ پر

ہر قسم کے قرآن کریم۔ تفاسیر اور کتب سلسلہ عالیہ احمدیہ

خرید فرماتے وقت

ہماری خدمات سے فائدہ اٹھائیے!

منیجر "ریحیس بک سنٹر" گول بازار ربوہ

(جس کی نصف آمدنی چندہ تحریک جدید اور تعلیم الاسلام ہائی سکول کو دی جائیگی۔)

بہائیت کی تردید میں بہترین کتابیں

بہائی لوگ جو قرآن مجید کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اپنی شریعت کو چھپاتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ اپنی اصلی تعلیمات کو مخفی رکھتے ہیں۔ بہائیت کے متعلق پوری واقفیت حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل دو کتابیں بے حد مفید ہیں۔ ابھی تک بہائیوں کو ان کے جواب کی جرأت نہیں ہوئی۔

(۱) بہائی شریعت اور اس پر تبصرہ۔

(۲) بہائی مذہب کی تاریخ، عقائد پر پانچ مقالے۔

چار صد صفحات کی ہر دو کتابیں پونے چار روپے میں مل سکتی ہیں!

منیجر مکتبہ الفرقان

ربوہ۔ پاکستان

(طابع و ناشر ابوالعطاء جالندھری نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر ربوہ ضلع جھنگ سے شائع کیا)